بنک کا سود

اِقتصادی اور شرعی نقطۂ نظر

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد علی القری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بنک کا سود

اقتصادی اور شرعی نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد علی القری
ترجمہ: عتیق الظفر

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول ۱۹۹۶ء

کتاب : بنک کا سود

مؤلف : ڈاکٹر محمد علی القری

ترجمہ : عتیق الظفر

اہتمام : انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز
بلاک ۱۹، مرکز ایف سیون اسلام آباد
فون: ۸۱۸۲۳۰ فیکس: ۸۲۴۷۰۴

آئی ایس بی این : ۹۶۹-۴۴۸-۰۴۵-۰

طابع : شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ، لاہور

تقسیم کنندہ : بک پروموٹرز، جناح سپر مارکیٹ
بلاک ۱۹، مرکز ایف سیون اسلام آباد
فون: ۸۲۳۰۹۴

قیمت :

09255

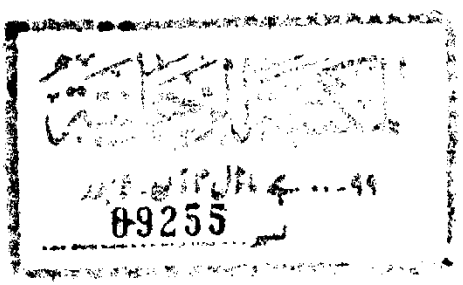

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

ابتدائیہ — پروفیسر خورشید احمد — ۵

پیش لفظ — ۹

پہلا باب

- بنک کا سود اور شبہات — ۱۳
- ربا اور سود — ۱۸
- زر اور سرمایہ کاری — ۲۲

دوسرا باب

- سود اور قوت خرید میں تغیرات — ۲۵
- سود اور شرح بچت — ۲۹
- پیداواری قرضے اور صرفی قرضے — ۳۲
- سود اور بین الاقوامی قرضوں کا مسئلہ — ۳۶
- جاری اور میعادی کھاتوں کا سود — ۳۹

تیسرا باب

- ربا اور ظلم — ۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- سود اور مصلحت ۴۷
- ربا اور ضرورت کا حکم ۵۱
- سود اور عہد جاہلیت کا ربا ۵۵

چوتھا باب

- ربا اور سود مسیحی تاریخ میں ۵۹
- قانونی سرپرستی و حکومتی تعاون اور بنکاری نظام ۶۳
- اسلامی بنکاری نظام کی معیشت میں سیالیت پیدا کرنے کی صلاحیت ۶۶

ضمیمہ

- جدید بنکوں اور جاہلیت کا سود ۶۹
- بنکنگ سے متعلق جامعہ ازہر کے تحقیقاتی ادارے اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی کانفرنس کی قراردادیں ۷۴
- اسلامی بنکنگ سے متعلق دوسری کانفرنس کی قراردادیں ۷۵
- بلاسود بنکاری اور مغرب ۷۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتدائیہ

مسلمان ممالک پر مغربی سامراج کا دو سو سالہ تسلط تو اب الحمد اللہ تقریباً ختم ہو گیا ہے اور، وسط ایشیا کے مسلم مملک کی حالیہ آزادی کے بعد بڑی حد تک، مسلم ممالک اپنی سیاسی قسمت کے خود ذمہ دار ہو گئے ہیں، لیکن سامراج کے فکری، تہذیبی، تعلیمی، اخلاقی اور معاشی اثرات نہ صرف یہ کہ باقی ہیں بلکہ عالمی طاقتیں تمام ممکنہ وسائل کے ساتھ ان غیر سیاسی زنجیروں کی گرفت کو مضبوط کرنے میں مصروف ہیں۔ سیاسی غلامی کا جو سب سے قبیح اور مہلک اثر ہے، وہ ذہنوں کی تبدیلی اور اقدار کے بدل جانے کی صورت میں رونما ہوا کرتا ہے اور علامہ اقبال نے اس کی بڑے واضح الفاظ میں نشاندہی کی تھی کہ

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ان بد نما اثرات کو زندگی کے تقریباً تمام میدانوں میں دیکھا جا سکتا ہے لیکن میری نگاہ میں اس کی ایک نمایاں ترین مثال سود کے باب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ بات بلاخوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ ایک عام مسلمان اپنی پوری تاریخ میں جن برائیوں سے نفرت کرتا رہا ہے، ان میں شراب، خنزیر، زنا اور سود سب سے نمایاں ہیں۔ عالم یا عامی، تعلیم یافتہ یا ان پڑھ، امیر یا غریب جس سے بھی آپ بات کریں، ان کی حرمت کے بارے میں سب کو یک زبان پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی استعمار کے غلبہ اور اس کے تحت بنکاری کے نظام کے عمومی فروغ کے باوجود عام مسلمان ربا، سود، یورژری، انٹرسٹ یا بیاج —— اسے کسی بھی نام سے پکاریں، اس سے پناہ مانگتا ہے اور اگر کسی وجہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس میں ملوث ہوا ہے تو اسے گناہ سمجھتا ہے۔ یہ ہے امت کا اجتماعی ضمیر اور الحمدللہ اسے بگاڑا نہیں جا سکا ہے۔ البتہ اقتدار کے حلقوں اور اہلِ ثروت کے دائروں میں سود کے جواز کے لیے کوئی نہ کوئی چور دروازہ نکالنے کی کوششیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں، خصوصیت سے وہ طبقے جو مغربی اقدار اور اداروں کو ذہناً اور عملاً قبول کر چکے ہیں یا جن کا مفاد مغرب کے سودی نظام سے وابستہ ہے، وہ مسلسل ایسی بحثوں کو ہوا دیتے رہے ہیں جن کے نتیجہ میں سود کی حرمت کو مشتبہ بنایا جا سکے اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا "حلالہ" کیا جا سکے۔ علمائے حق اور خود مسلمان ذہن رکھنے والے ماہرین معاشیات و بنکاری نے اس مذموم مساعی کا سینہ سپر ہو کر دلیل اور جرأت سے مقابلہ کیا ہے اور جب بھی اس نوعیت کا کوئی فتنہ اٹھایا گیا ہے اس کا سر توڑنے کی کوشش ہوئی ہے۔ ۱۹۷۶ء میں مکہ مکرمہ میں مسلمان علما اور ماہرین معاشیات کی پہلی عالمی معاشی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ساری دنیا سے تین سو سے زیادہ ماہرین معاشیات (Professional Economists) نے شرکت کی، اور علما نے یک زبان ہو کر اس امر کا اعلان کیا کہ سود یا انٹرسٹ ایسی ہر صورت میں حرام ہے، اور ربا کے مفہوم میں ہر وہ سود بھی شامل ہے جو خواہ صرفی مقاصد کے لیے لیے گئے قرضوں پر لیا یا دیا جائے یا کاروباری، صنعتی اور نفع آرا مقاصد کے لیے۔ اس طرح قرض، خواہ فرد (مثلاً ساہوکار) سے حاصل کیا جائے یا اداروں سے، جیسے بنک، انوسٹمنٹ کمپنیاں، کارپوریشن وغیرہ ہو یا خود حکومت اور حکومتی ادارے —— اگر قرض پر زمانی میزان میں کوئی طے شدہ اضافہ، معاملے کا حصہ ہے تو وہ سود ہے اور اسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے اور یہ حرام ہے۔ یہی وہ پوزیشن ہے جس پر علما اور ماہرین معاشیات کا تقریباً اجماع ہے اور اس کی توثیق و تائید تمام ہی علمی اداروں اور کانفرنسوں نے کی ہے۔ مثلاً مجمع البحوث الاسلامیہ (قاہرہ) کی مئی ۱۹۶۵ء کی قرارداد، اسلامی فقہ کونسل کی دسمبر ۱۹۸۵ء کی قرارداد جو قاہرہ میں موتمر اسلامی کے موقع پر منظور کی گئی، مجمع فقہ الاسلامی کا فیصلہ، اس کی اعلیٰ کونسل کے اجلاس جو رجب ۱۴۰۶ھ (مکہ مکرمہ)، میں ہوا، الازہر کی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ جو ۲۸ فروری ۱۹۸۸ء کو جاری کیا گیا، اسلامی کانفرنس کی تنظیم کی اسلامی فقہ اکیڈمی کی دسمبر ۱۹۸۵ء کی قرارداد، مجمع فقہ الاسلامی ہندوستان کی ۱۹۸۹ء کی کانفرنس اور اس کے فیصلے، نیز پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رپورٹ ۱۹۸۰ء اور وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ (دسمبر ۱۹۹۱ء)۔ یہ اشارات صرف بطور مثال کیے جا رہے ہیں مقصود ان تمام اداروں اور کانفرنسوں کا مکمل احاطہ نہیں جن کا متفقہ موقف ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور جسے اب چند حلقے چیلنج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہم نے نہ کبھی ماضی میں دلیل سے بات کرنے کی حوصلہ شکنی کی ہے اور نہ آج کرتے ہیں۔ افسوس وہاں ہوتا ہے جہاں خاصے پڑھے لکھے افراد بھی دلیل کی بجائے مفاد اور مصلحت کا سہارا لے کر دین کے مثبت احکام میں تبدیلی کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ راستہ حق و دیانت کا راستہ نہیں ہے اور ایسی ہر کوشش کا ماضی میں بھی مقابلہ کیا گیا ہے اور آج بھی کیا جا رہا ہے۔ الحمدللہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد اور دوسرے علمی اور تحقیق اداروں نے گزشتہ ۲۰ سال میں درجنوں کی تعداد میں ایسی علمی اور تحقیقی کتب و مقالات کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے جن میں اسلام کے معاشی نظام کے مختلف پہلوؤں اور خصوصیت سے ربا اور مالیاتی و بنکاری نظام پر گفتگو کی ہے اور اسلامی بنیادوں پر سود کے بغیر ایک جدید مالیاتی نظام کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

میرے عزیز دوست اور ساتھی ڈاکٹر محمد علی القری جامعہ ملک عبدالعزیز میں معاشیات کے پروفیسر ہیں اور اس جامعہ کے مشہور مرکز بحوث الاقتصادی الاسلامی کے ڈائریکٹر ہیں۔ ان کا زیر ترجمہ مقالہ، اسلامی معاشیات کے لٹریچر میں ایک مفید اور قابل قدر اضافہ ہے۔ ڈاکٹر القری کی نظر شریعت اسلامی اور جدید معاشیات پر یکساں ہیں، اس طرح وہ صرف ایک نظری استاد ہی نہیں بلکہ سعودی عرب کے سب سے بڑے پرائیوٹ بنک، نیشنل کمرشل بنک کے اسلامی معاشی امور پر مشیر بھی ہیں۔ اس مختصر کتاب میں انھوں نے زیر بحث موضوع کے تمام ہی اہم پہلوؤں کا بڑی خوبی کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ اس میں تاریخی اور نظریاتی بحثوں کو بھی اختصار کے ساتھ سمیٹ لیا گیا ہے اور ان تمام دلائل کا بھی مسکت جواب دیا گیا ہے جو بنکاری کے سود کو ربا کے دائرہ سے باہر کرنے والے اہل قلم وقتاً فوقتاً دیتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر القری نے ان حدود کو بھی واضح کر دیا ہے جن کا احترام ضروری ہے اور ان استثنائی حالات کی بھی نشان دہی کر دی ہے جو شریعت کی نگاہ میں گوارا ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر القری کا اسلوب نہ جارحانہ ہے اور نہ معذرت خواہانہ —— انھوں نے نہایت ٹھنڈے اور خالص علمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انداز سے ایک ایک پہلو پر بحث کی ہے اور ان تمام غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جو بحث کے لیے بار بار اٹھائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں افراط زر اور اس کے نتیجہ میں قدر زر میں ہونے والی تبدیلیوں پر بھی انھوں نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور جہاں اصل مسئلہ کے حل کی طرف توجہ دلائی ہے، وہیں اس سے سود کے جواز کے استدلال کی کمزوری بھی واضح کر دی ہے۔ اسی طرح متبادل نظام پر کیے جانے والے اعتراضات کا بھی انھوں نے بخوبی احاطہ کر لیا ہے۔ میں اس مختصر کتاب کو مسئلہ زیر بحث کی تنقیح و تفہیم کے لیے ایک نہایت مفید اور قیمتی کاوش سمجھتا ہوں۔ مصنف محترم کے لیے بہترین اجر کی دعا کرتا ہوں اور معاشیات، بنکاری کے محققوں، پالیسی سازوں اور علما کو اس سے استفادہ کی دعوت دیتا ہوں۔

خورشید احمد
۱۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء
اسلام آباد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

انسانی معاشرے میں ربا اس وقت سے موجود ہے جب سے نقدی موجود ہے، حتیٰ کہ ان زمانوں میں بھی جب اشیا مثلاً غلہ یا جانوروں کی کھالوں کو بطور نقدی کے استعمال کیا جاتا تھا۔

یہ بات انسان نے بالکل ابتدا سے محسوس کر لی تھی کہ ربا انسانی فطرت کے منافی ہے اور اس کے ذریعہ لین دین کا بڑھ جانا بہت سے اجتماعی مفاسد کو جنم دیتا ہے۔ اس لیے ربا کی ممانعت ان اہم اقتصادی تعلیمات میں سے ہے جو ہم تک قدیم استوں سے کتابوں کے ذریعے پہنچی ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت میں ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یورپ میں وسطی عہد کے دوران کلیسا اس کو قتل عمد کے جرم سے کم تر نہیں سمجھتا تھا۔ پھر اسلام نے اس کو قطعی طور پر حرام کر دیا اور اس کا لین دین کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی وعید سنائی۔

تمام آسمانی مذاہب میں اس کی حرمت کے باوجود بعض گروہ مسلسل غیر شرعی طریقوں اور مختلف حیلوں کا سہارا لے کر ربا کا لین دین کرتے رہے۔ ان میں سے سب سے اہم گروہ یہود کا ہے کیونکہ تلمود میں ان کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ دیگر اقوام کے ساتھ سودی لین دین کر سکتے ہیں صرف آپس میں اس کا لین دین حرام ہے۔ اس لیے مختلف معاشروں بالخصوص یورپ میں یہودی اقلیتوں نے نقدی کے کاروبار میں سودی قرض دینے کا کام جاری رکھا۔ اور جب یورپ میں کلیسا کی گرفت ختم ہو گئی تو ان انفرادی کاروباروں نے مخصوص اداروں کی شکل اختیار کر لی، جن کو بنک کہا جانے لگا، اور ان اداروں کا کام سود پر قرض دینا بن گیا۔ پھر یہ ادارے وسیع ہوئے اور ایسی حقیقت بن گئے جس کو نظر انداز کرنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا تبدیل کرنا ممکن نہ رہا۔ جس کے باعث حکومتیں مجبور ہو گئیں کہ ان کی سرگرمیوں کو منظم کرنے اور ان کی حفاظت کے لیے قوانین وضع کریں۔ اس طرح یہ ادارے کسی بھی ترقی یافتہ معاشرے میں اقتصادی سرگرمیوں کا اہم حصہ بن گئے۔

سودی لین دین کے عام ہو جانے سے اور بنکوں کی سرگرمیوں کی وسعت کے باعث، موجودہ زمانے میں بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ ربا میں اقتصادی منفعت پائی جاتی ہے، اور ربا لین دین کو آسان بنانے میں اور اقتصادی ترقی کے حصول میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ان کو ایسا لگا گویا ان بنکوں کے بغیر امت مسلمہ کے لیے ترقی کا کوئی راستہ ہی نہیں، جبکہ بنک ربا کے بغیر کام نہیں کر سکتے۔ لیکن ہماری رائے کے مطابق یہ سوچ ایمان کے بنیادی تقاضوں کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر ربا میں کوئی برائی نہیں ہے تو پھر اسلام نے اسے حرام کیوں قرار دیا ہے؟ اور اگر اس قسم کا کاروبار اہم ضرورت ہے، جیسا کہ وہ یقین رکھتے ہیں، تو پھر یقیناً ربا کا متبادل موجود ہونا چاہیے۔ ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے متبادل تلاش کریں کیونکہ شریعت کے آنے کا مقصد مصالح کا حصول اور مفاسد کو دور کرنا ہے۔

زیر نظر کتاب میں ہم نے ان معاشی دعوں اور شبہات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جو آج کل بنکوں کے سود کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ آغاز میں ہم نے وہ پس منظر بیان کیا ہے، جس نے اسلامی معاشیات کی بنیادوں، جو بنکاری امور کو ربا کے بغیر استوار کرتی ہیں، پر بحث کی ہے اس کے بعد سودی لین دین کو جدید دور کی ناگزیر اقتصادی ضرورت سمجھنے والوں کے شکوک کے اسباب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سودی نظام کو ایسے دوسرے نظام سے بدلنا، جو کہ ہماری دینی تعلیمات سے متصادم بھی نہ ہو، عین ممکن ہے۔ اس کے علاوہ ان شبہات پر بھی کلام کیا گیا ہے جو کہ بنکاری کے سود کے متعلق پائے جاتے ہیں اور وہ مشکلات بھی بیان کی ہیں جو متبادل غیر سودی بنکاری کو درپیش ہیں۔ میری دعا ہے کہ یہ کتاب منفعت اور نصیحت کا ذریعہ بنے۔

میں ان تمام اساتذہ اور دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے مسودہ پڑھ کر یا ویسے بات چیت میں بعض نکات پیش کیے اور اپنی رائے سے نوازا۔ میں بطور خاص پروفیسر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر رفیق المصری، ڈاکٹر عمر زبیر اور ڈاکٹر سیف الدین تاج الدین کا شکر گزار ہوں۔ اور جو بھی کمی یا غلطی پائی جائے، اس کا میں تنہا ذمہ دار ہوں۔

محمد علی القری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

بنک کا سود اور شبہات

۱۹ویں صدی کے آخر سے ۲۰ویں صدی کے ابتدا تک کا دور مسلمانوں کے زوال کا دور ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں خلافت عثمانیہ کمزور ہونا شروع ہوئی اور اس حالت تک پہنچ گئی، جس کو اہلِ یورپ نے "مردِ بیمار" سے تشبیہ دی۔ اسی زمانے میں نسلی و علاقائی قومیت کے جراثیم امت اسلامیہ کے رگوں میں داخل ہوئے، دشمنوں نے اپنی قوتوں کو مجتمع اور صفوں کو متحد کرنا شروع کر دیا تاکہ اس مریض کے ترکے کو باہم تقسیم کر لیں۔

خلافت عثمانیہ طویل عرصے تک مسلم معاشروں کو یورپی معاشرے کے اثرات سے بچانے میں ایک حد تک کامیاب رہی۔ اس شعوری کوشش کے مثبت پہلوؤں کے ساتھ مغرب سے تکنیکی اور اقتصادی رابطے بھی منقطع ہی رکھے گئے۔ اس وجہ سے مسلم معاشروں کو تکنیکی ترقی کی تحریک اور صنعتی انقلاب کی ہم رکابی کا موقع نہیں ملا، اس رویے نے یورپ کو دنیا کی ایک خوفناک قوت بنا دیا۔

جب خلافت کا خاتمہ ہوا تو مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ عالمی سیاست اور معیشت کے دھاروں سے لاتعلق کر دیے گئے ہیں۔ ان پر غیر ملکی طاقتوں نے ہر جانب سے ایسی یلغار کر دی جیسے شکاری، شکار پر جھپٹتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امت اسلامیہ اس دور میں بھی ایک بہترین امت تھی، کیونکہ اس کے افراد نے اس دین کی دعوت سے تعلق جوڑا ہوا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا تھا۔ روحِ عصر کے ادراک سے محرومی کے اس دور میں یہ اُمت فوجی قوت کے لحاظ سے دشمنوں کی چالوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھی۔ دوسری جانب معاشی طور پر بھی اس قابل نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی کہ لوگوں کو زندگی کی بنیادی ضروریات مہیا کر سکے یا مسلمان ملکوں کی معیشت کو ترقی سے ہمکنار کر سکے۔

اس دور میں امت اسلامیہ کے افراد کے ذہنوں میں شکست خوردہ افکار نے جنم لینا شروع کر دیا جس نے امت اسلامیہ کے پہلے سے کمزور وجود کو مزید کمزور کیا۔ دشمن قوتوں نے ایسا موقع ہی نہیں دیا کہ امت مسلمہ کے مرض کی صحیح تشخیص ہو سکے اور اس کا کوئی مؤثر علاج کیا جا سکے، بلکہ ثقافتی اور نشریاتی اداروں، مغرب پرست مسلم دانشوروں اور مستشرقین کے ذریعے یہ بات پھیلانا شروع کر دی کہ مسلمانوں کے مسابقت میں پیچھے رہ جانے کا سبب ان کا مذہب ہے جو کہ ترقی اور ارتقا کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب عملی زندگی، خاص طور پر اقتصادی میدان میں شریعت کے نفاذ سے متعلق شکوک و شبہات اور پریشان خیالی نے جنم لیا۔ یہ پریشان خیالی مسلمانوں کی مادی کمزوری کا تعلق دین سے جوڑتی اور لادینیت کو اپنانے کا پیغام دیتی تھی۔

مسلمان جب اپنے دائیں بائیں نظر دوڑاتے تھے تو انھیں نظر آتا تھا کہ مغرب کی اقتصادی طاقت کا سبب ان کا بنکاری نظام ہے۔ اور یہ بنک، بطور اقتصادی اداروں کے اس اعلیٰ درجہ پر اس وقت پہنچے، جب ان معاشروں میں سود کو ایک اعلیٰ معاشی قدر کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ مغربی بنک آج بھی زبردست اقتصادی قوت کے مظہر ہیں کیونکہ سرمایہ کاری کے وسائل ان کے قبضہ میں ہیں جنھیں وہ مختلف ملکوں کو سودی قرضوں کی صورت میں دیتے ہیں۔ مسلم قائدین اپنی نادانی کی بنا پر یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ان کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے، سوائے ان افراد کے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا رحم فرمایا۔ مغرب نے مسلمانوں کے ذہنوں کو متاثر کرنے کی جو کوشش کی، اس کا نتیجہ اس سوچ کی صورت میں نکلا کہ ترقی مغرب کی پیروی کیے بغیر ممکن نہیں، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ان ہی کی طرح کے ادارے قائم کیے جائیں اور ان کے فلاسفہ اور ماہرین علوم عمرانیات اور اقتصادیات سے نیاز مندانہ رہنمائی حاصل کی جائے۔

اس فکری انتشار کے دور میں بعض مسلم ماہرین معاشیات یہ بات کہتے تھے کہ بینک کے بغیر کوئی معاشی قوت ممکن نہیں ہے، اور ربا کے بغیر بنکوں کا وجود ممکن نہیں ہے، یا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سماجی اور عمرانی علوم کے مسلمان ماہرین یہ بات کہتے تھے کہ خواتین کو میدان عمل میں لائے بغیر ترقی ممکن نہیں ہے۔ اور خواتین کا، بغیر پردہ کے اور آزادانہ میل جول کے، کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ یا اس زمانے میں سودی لین دین کرنے والے، جو یہ کہا کرتے تھے کہ کوئی علم بغیر تجرباتی طریق کار کے ممکن نہیں ہے، اور تجرباتی طریق کار بغیر یورپی افکار پر استوار ہوئے درست نہیں ہو سکتا، تو ہم ان معذرت خواہ لوگوں کو بھی قابلِ ملامت نہیں ٹھہراتے ہیں، کیونکہ یہ تمام لوگ ایک گمراہ کن ماحول، امت مسلمہ پر اغیار کے تسلط اور ذلت و رسوائی کا شکار تھے۔ یہ لوگ اس فکری انتشار اور معاشرتی شکست خوردگی کا شکار تھے، جس نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور کمزور مسلمان ممالک پر بیرونی تسلط کی وجہ سے جنم لیا تھا۔

لیکن یہ باتیں مغربی تہذیب سے ایک صدی کی براہ راست معرفت، تعلق، ارادت مندی اور خود سپردگی کے بعد قابلِ قبول نہیں، کیونکہ یہ گزرے ہوئے زمانے کی ایسی نفرت انگیز آواز ہے جو ہماری امت کو اس کے تجربات سے، اس کے افراد کے علم سے اور نسل در نسل جمع ہونے والی معلومات سے محروم کر دینا چاہتی ہے۔ آج مسلم ماہرین اقتصادیات اور ماہرین عمرانیات کو واضح طور پر ان مسائل سے آگاہی ہے، جو مغربی اقوام کو درپیش ہیں۔ اب یہ با آسانی ممکن نہیں رہا ہے کہ ہم ان باتوں پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیں جو گزرے زمانوں سے چلی آ رہی ہیں، اور جن کے بارے میں ہر باشعور شخص جانتا ہے کہ وہ ہم پر اغیار کے تسلط اور غلبے کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اقتصادیات اور سماجی علوم کے شعبوں میں ہمارے پاس اتنے علمی تجربات جمع ہو چکے ہیں جو کسی بھی انصاف پسند شخص کے لیے واضح حجت بن سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے اسلامی بنکاری کے ایسے اداروں کا وجود عمل میں آ چکا ہے جو حلال و حرام کے واضح دائروں کا تعین کر کے اقتصادی اہداف کو، حلال کے دائرے میں رہ کر، حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے تحقیقی و تربیتی ادارے اور جامعات وجود میں آ چکے ہیں جو حق کو باطل سے اور طیب کو خبیث سے ممیز کر سکتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علما کا کردار

قوت اور اقتدار سے محرومی کے مشکل دور میں فکری گمراہی مسلمانوں کی زندگی میں ہر طرح سے شامل ہو چکی تھی۔ اور وہ تبدیلیاں، جو حالات کے ان تغیرات کے نتیجے میں مسلمان معاشروں میں لازمی ہو چکی تھیں، اتنی تیز رفتار تھیں کہ وہ معاشرے کی بنیادوں کو اور ان کی شان و شوکت کو ہلا رہی تھیں۔ اس زبردست غلبے اور تسلط کے ماحول میں مسلمان علما، جو کہ امت کے روحانی رہنما اور اجتماعی معاملات کے قائدین تھے، نے ہر ممکن کوشش کی کہ ایسے وسائل کو اختیار کیا جا سکے جو مسلمانوں کو اس ترقی تک پہنچا دے جس سے وہ پیچھے رہ گئے ہیں اور کم سے کم وقت میں ان کی قوت اور شان و شوکت میں اضافہ کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بنیادی مآخذ میں تحقیق کی تاکہ مسلمانوں کو ان کی زندگی میں آسانی فراہم کر سکیں اور ان کی حکومتوں کو ان کے انتظامی امور چلانے میں سہولت پیدا کر سکیں۔ مسلمان علما واضح طور پر حالات میں تغیر اور اجتماعی اور بین الاقوامی تعلقات میں تبدیلیوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ لوگوں سے ان تبدیلیوں سے غافل ہونے کا مطالبہ نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ ایک ناممکن کام کا مطالبہ ہو گا اور اس طرح وہ ان کی زندگی کو دشواری میں ڈال دیں گے۔

اس پر آشوب دور میں کچھ نیک نیت علما کی طرف سے چند فتوے، جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے، منظر عام پر آئے۔ یہ فتوے، اجتماعی رائے کو ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ ایسی آرا پر مشتمل تھے، جن کے پیش کرنے میں جلد بازی کی گئی تھی۔ اگر وہ علما خود بھی دوبارہ انھیں دیکھتے تو ان سے رجوع کر لیتے۔ یہ فتوے اس علم اور اجتہاد کے منافی تھے جن پر ۱۴ صدیوں سے علما کا اتفاق تھا۔ لیکن ان فتووں کو ہر طرف مسلمانوں کے ذہنوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے اور مخصوص گروہوں کے مفادات کی خاطر استعمال کیا گیا۔

اہل علم میں سے صرف یہی چند لوگ نہیں تھے بلکہ ہر زمانے میں مسلمان علما کے درمیان رائے کا اختلاف رہا ہے، لیکن جیسا کہ شخصی اجتہاد کے بارے میں اسلامی طریقہ کار ہے کہ اس کا کتاب و سنت کے موافق ہونا، اس کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اجتہاد کے بارے میں علما کی رائے، کسی بھی زمانے میں یا کسی بھی مسئلہ میں، اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ایک اجتہاد غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی۔ لیکن امت مسلمہ کے لیے بنیادی مأخذ ہمیشہ کتاب و سنت ہی رہیں گے، اور قانون سازی کے لیے یا طریق زندگی کے لیے صرف وہ رائے قابل قبول ہو گی جس پر امت کا اجماع پایا جائے، علما کے انفرادی اجتہاد کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان حقیقی اسباب کو، جو ان علما کی طرف سے اس نوعیت کے فتووں کا باعث بنے اور ان حالات کو اپنے ذہن میں رکھیں جس میں اس وقت کے مسلمان زندگی گزار رہے تھے۔ ۲۰ویں صدی کے ابتدائی حصے میں جب کہ امت شکست خوردہ تھی، تہذیب متزلزل تھی، اور یہ معاشرے دنیا کے مقابلے میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں جہالت، غربت اور امراض پھیل رہے تھے، جب کہ ان کے مقابل استعماری قوتیں تھیں اور یورپ کی طرف سے اقتصادی غلبے اور فکری گمراہی کا سامنا تھا۔ چند علما کی طرف سے ایسی آرا کا اظہار، کچھ تعجب کی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ باعث تعجب تو یہ ہے کہ علما کی اکثریت کیسے چٹان کی طرح اپنی جگہ ڈٹی رہی اور وہ حق کے اظہار میں نہ متزلزل ہوئے اور نہ دین کے جھنڈے کو بلند رکھنے میں کمزور پڑے، بلکہ مردانہ وار دین کی بنیادوں اور حدود کی حفاظت کرتے رہے۔

موجودہ دور میں بنکاری کے معاملات سے متعلق اسلامی موقف کے بارے میں بہت سے افکار کا چلن ہے۔ ان افکار کے حامل افراد چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو عام مسلمانوں کو اس دھوکے میں ڈال سکیں کہ بینکاری کا سود، حرام ربا نہیں ہے۔ دوسری طرف علما کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ بنکاری کا سود اقتصادی ضرورت ہے۔ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے اس بات سے مایوس ہو چکے ہیں کہ مسلمانوں میں سے علم اور امانت رکھنے والے اہل فتویٰ ان کی مدد کریں۔ اس لیے اب انھوں نے خود ہی مختلف نوعیت کی آرا جمع کر کے، یا بعض علما کی علمی لغزشوں کو استعمال کر کے، یا ان کی تحریروں میں تحریفات کر کے، خود فتوے جاری کرنے شروع کر دیے ہیں۔ اس لیے ان کے خانہ زاد "اجتہادات" کو دیکھیں تو وہ اس کپڑے کی طرح ہیں جس میں ستر پیوند لگے ہوں۔ کبھی ان کی سود کو حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اقتصادی قوت کا سبب ہے۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ اسے سد الذرائع کی وجہ سے حرام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا تھا اور اب مصلحت کی وجہ سے اس کی اباحت جائز ہے۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ یہ شدید ضرورت ہے۔ لیکن یہ لوگ، اہل علم اور امانت کے طریقے کے برعکس، حقیقت کی تلاش نہیں کرتے بلکہ ایسے فتووں کی تلاش کرتے ہیں جو شریعت کو ان کی خواہشات کے مطابق ڈھال دیں۔ حالانکہ بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے کسی چیز کے بارے میں شرعی حکم تلاش کریں، بجائے اس کے کہ یہ کہنا شروع کر دیں کہ یہ ضرورت ہے۔ یہ تورات پر دن کا شبہ کرنے کے مترادف ہے۔ یہ لوگ جو افکار آج پھیلانا چاہ رہے ہیں، وہ وہی ہیں جو کل بھی رائج تھے۔ اور جو بات یہ ہمارے ذہنوں میں ڈالنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ دنیا کے مقابلے میں ہمارا پیچھے رہ جانے کا سبب، ہمارا دین ہے اور ترقی مغرب کی نقالی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہی ہماری مشکلات کا حل ہے۔ آگے چل کر، ہم وہ اقتصادی تاویلات اور شرعی شبہات پیش کریں گے جو کہ بنکاری کے سود سے متعلق رائج ہیں اور ان کا جواب دینے کی کوشش کریں گے، ان شاء اللہ۔

ربا اور سود

عربی زبان میں ربا کا مطلب بڑھوتری اور اضافہ ہے۔ فقہ اور اقتصاد میں اس سے مراد اصل قرض کی ادائیگی کے ساتھ ہر مشروط اضافہ ہے۔ اسے کئی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

ربا النسیئۃ: اسے ربا القروض، ربا الدیون، ربا الجاہلیۃ، ربا القرآن اور ربا الجلی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قرض میں مدت کے بدلے اضافے کو کہتے ہیں۔ ہر وہ مال، جو بطور قرض دیا جا سکتا ہو، اگر اس کو مدت کے بدلے اضافے کی شرط کے ساتھ، قرض دیا جائے تو یہ حرام شدہ ربا بن جائے گا۔ ایک ہزار روپے کو اس لیے قرض دینا، کہ کچھ مدت کے بعد ایک ہزار اور ایک سو روپے لوٹائے جائیں گے، ربا النسیئۃ ہو گا۔ ایک ٹن لوہا اس لیے قرض دینا کہ کچھ عرصے بعد ڈیڑھ ٹن واپس ملے گا، ربا النسیئۃ ہو گا اور ایک تولہ چاندی اس لیے قرض دینا کہ ایک مخصوص مدت کے بعد اس سے زائد واپس ملے گا ربا النسیئۃ ہو گا۔ پس ربا النسیئۃ مال کی کسی خاص قسم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن موجودہ دور میں اکثر یہ کرنسی نوٹوں اور قدیم دور میں سونے اور چاندی کے لین دین کی صورت میں پایا جاتا تھا۔ ہر وہ مال جس کو ادھار دیا جا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہو، اس میں ربا النسیئۃ کا عنصر پایا جا سکتا ہے۔ ربا کی یہی وہ قسم ہے جو سودی بنکوں، مالیاتی اور بین الاقوامی اداروں میں استعمال ہوتی ہے، اور یہی وہ قسم ہے جس کا تذکرہ ماہرینِ اقتصادیات اپنی کتابوں اور معاشی نظریات میں کرتے ہیں۔ اور یہی وہ ربا ہے جس کے حرام ہونے پر دینِ اسلام اور دیگر آسمانی مذاہب میں اجماع پایا جاتا ہے، بلکہ یونانی فلاسفروں نے بھی اس سے نفرت کا اظہار کیا اور اس سے منع کیا۔ اس بارے میں افلاطون کا یہ قول مشہور ہے کہ "نقدی غیر پیداواری ہے، اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ قرض کی صورت میں مزید نقدی کو جنم دے"۔

ربا الفضل: ربا کی اس قسم کو اس لیے علاحدہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر خرید و فروخت یا اشیا کے تبادلے میں پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں علما کے درمیان پرانے زمانے سے اختلاف رہا ہے کہ وہ کون سے اموال ہیں، جو ربا الفضل میں شامل ہیں اور اس کی علت کیا ہے۔ ربا الفضل کا قطعاً کوئی تعلق موجودہ بنکاری کے سود کے ساتھ یا قرض کے سندات (مثلاً سیونگ سرٹیفکیٹ وغیرہ) اور تجارتی اوراق کے شرح سود کے ساتھ نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ ربا النسیئۃ ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے علما کا ربا الفضل میں شامل ہونے والی اشیا یا اس کی علت کے بارے میں اختلاف، ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا ہے جو بنکاری کے سود یا قرضوں کے سود کو حلال ثابت کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ربا الفضل صرف بیع یا اشیا کے تبادلے میں واقع ہوتا ہے۔

اس وقت ربا الفضل ہمارا موضوع نہیں ہے۔ چونکہ لوگ، ربا النسیئۃ کو جائز قرار دینے کے لیے، اسے ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ربا البیوع کی ایک جامع تعریف بیان کر دی جائے۔

فقہا میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ ربا الفضل کو، ربا النسیئۃ تک پہنچانے کے ذریعہ کے طور پر، حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور ربا النسیئۃ صرف قرض کی صورت میں واقع ہوتا ہے، جب کہ ربا الفضل خرید و فروخت اور ان اشیا کے تبادلے میں واقع ہوتا ہے جو کہ ربوی اشیا کہلاتی ہیں۔ یہ تبادلہ چاہے کچھ وقت کے فرق کے ساتھ ہو یا مقدار کی زیادتی کے ساتھ۔ مثلاً یہ کہ کسی ربوی شے کا اس شے کی زیادہ مقدار کے ساتھ دست بدست تبادلہ کیا جائے، جیسے ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلو سونے کا ڈیڑھ کلو سونے کے ساتھ دست بدست تبادلہ کیا جائے تو یہ ربا الفضل کہلائے گا۔ یا ایک کلو سونے کو ڈیڑھ کلو سونے سے قبضے میں کچھ تاخیر کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو یہ ربا النسیئۃ کہلائے گا۔ اس لیے ربوی اشیا میں فوری قبضہ، اور مقدار میں برابری لازمی شرط ہے۔

بنکاری نظام میں ربا اور سود

جدید معاشیات میں بنک مالیاتی واسطے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یعنی پہلے وہ قرض لیتے ہیں پھر وہ کاروباری طبقے کو قرض دیتے ہیں۔ بنکوں میں موجود بچت کھاتے اور جاری کھاتے بنک کا لیا ہوا قرض ہوتے ہیں۔ قرض دینے والے کھاتے دار ہوتے ہیں اور بنک قرض دار ہوتا ہے۔ دوسری طرف بنک اس مال کو کاروباری افراد اور دیگر اشخاص کو قرض دیتا ہے جو اسے مختلف کاروباری سرگرمیوں میں استعمال کرتے ہیں۔ بینک کھاتے داروں (یعنی قرض دینے والوں) کو ایک طے شدہ شرح سے سود کی ادائیگی کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ پھر جب بنک ان رقومات کو قرض کے طور پر دیتا ہے تو معاہدے کے مطابق ایک طے شدہ شرح سے سود وصول کرتا ہے۔ بنکوں کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ سود کی انھی دو شرحوں کے درمیان فرق کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ وہ شرح سود جو بنک کھاتے داروں کو ادا کرتا ہے، لازماً اس شرح سود سے کم ہوتی ہے جو وہ قرض داروں سے وصول کرتا ہے۔

بنک کی اہم ترین سرگرمی قرض لینا اور دینا ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ بنک مختلف تجارت پیشہ اور کاروباری افراد کو طے شدہ شرح سود پر جو قرض دیتا ہے، وہ ربا النسیئۃ ہے جس کی حرمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ بینک میں سود کی بنیاد پر جمع کرائے ہوئے کھاتے بھی ربا النسیئۃ ہیں۔ جب آپ بنک میں اپنا اکاؤنٹ کھولتے ہیں اور اس میں مثلاً ایک ہزار روپے جمع کرواتے ہیں تو گویا آپ یہ رقم بنک کو قرض دیتے ہیں۔ پھر کچھ مدت کے بعد جب وہ رقم واپس لیتے ہیں اور اس کے ساتھ مثلاً ۵۰ روپے زائد ملتے ہیں (یعنی پانچ فیصد شرح سود کے ساتھ) تو قرض میں یہ اضافہ جو کہ مدت کی وجہ سے ہے، وہی ربا ہے جسے قرآن و سنت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس قرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اضافی رقم مشروط ہوتی ہے، چاہے شرط کا لفظ زبان سے نہ بھی نکالا گیا ہو۔ کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ بنک میں بچت کھاتوں پر سود ادا کیا جاتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ بنک کا سود ربا النسیئۃ کے بجائے ربا الفضل کی نوعیت کا ہو؟ شیخ محمد رشید رضا نے اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ قرض پر لیا جانے والا مشروط اضافہ ربا النسیئۃ کی نہیں بلکہ ربا الفضل کی قسم میں سے ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ربا اصل سود پر مشروط اضافے کو نہیں کہتے ہیں بلکہ ادائیگی کی مدت گزرنے کے بعد زائد لی جانے والی رقم کو کہتے ہیں۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس نوعیت کا اضافہ ہی جاہلیت میں ربا کہلاتا تھا۔ بعض لوگوں نے اس رائے کو استعمال کرتے ہوئے بنک کے سود کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی۔ شیخ محمد رشید رضا کی یہ رائے ایسی واضح خطا پر مبنی ہے جس کو ان کے معاصر علما اور ان کے بعد آنے والوں نے محسوس کر لیا اور کسی ایک نے بھی اس رائے کی تائید نہیں کی، جس رائے پر علما کا اجماع ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرض کی اصل رقم پر مہلت کے بدلے کسی قسم کا اضافہ، وہ ربا ہے جس کو قرآن میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ پس شیخ رشید رضا کی رائے علما امت کی رائے سے مختلف ہے۔

یہ بات درست نہیں ہے کہ جاہلیت میں ربا کی صرف ایک ہی صورت تھی، وہ یہ کہ ادائیگی کی مہلت پوری ہو جانے پر قرض کی رقم میں اضافہ کر دیا جائے بلکہ لوگ قرض دیتے وقت بھی اضافی رقم کی ادائیگی کی شرط رکھتے تھے اور ادائیگی کی مہلت ختم ہو جانے پر یا ادائیگی کی طاقت نہ ہونے پر بھی اصل رقم میں اضافہ کر دیتے تھے۔ اس طرح وہ ادائیگی کی عدم صلاحیت کی بنا پر قرض حسن کو ربوی قرض میں تبدیل کر دیتے تھے۔

یہ تمام صورتیں دور جاہلیت میں ربا النسیئۃ کہلاتی تھیں۔ اس لیے بنکوں کا سود ربا النسیئۃ کی قسم ہے، ربا الفضل نہیں ہے۔ ایک ہزار ریال کا قرض کچھ مدت کے بعد ایک ہزار پچاس ریال حاصل کرنے کی غرض سے دیا گیا ہو، اگر یہ ربا النسیئۃ نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مقصد ہے کہ

وَ اِن تُبتُم فَلَكُم رُءُوسُ اَموَالِكُم (البقرہ ۲:۲۷۹)

اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زر اور سرمایہ کاری

(اسلامی نظام میں)

چونکہ بنکاری کا سود ربا ہے جو کہ قطعی طور پر حرام ہے، اس لیے لازمی طور پر دین اسلام میں ایسی بنیادیں موجود ہونی چاہییں، جن پر ایک ایسا بنکاری نظام قائم کیا جا سکے جو ایسے تمام اعمال سر انجام دے، جن کی کسی بھی بنکاری نظام سے توقع کی جاتی ہے۔ یہ اس حقیقت کا بھی فوری تقاضا ہے کہ دینِ اسلام، حیاتِ انسانی کے لیے (ہر جگہ اور ہر زمانے کے لیے) بہترین نظام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں ایسی خصوصیات موجود ہیں جو اسے مسلم معاشرے میں ربا اور دیگر حرام معاملات میں ملوث ہوئے بغیر، معاشی ترقی اور استحکام کے اہداف حاصل کرنے کے قابل بناتی ہیں۔ ہم یہاں مختصراً نظامِ بنکاری کے اسلامی تصوّر کے بارے میں عرض کریں گے۔

نقدی، اشیا کے تبادلے کے لیے واسطہ اور کسی چیز کی قدر کو محفوظ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن یہ کوئی جنس نہیں ہے جس کو بیچا یا خریدا جائے۔ اور نقدی بذاتِ خود نفع کمانے کی اہلیت نہیں رکھتی، اس لیے اس کی تجارت نہیں کی جا سکتی۔ اسلامی نظام میں نفع حاصل کرنے کا سبب ایسی سرگرمیوں میں حصّہ لینا ہے جن کا تعلق پیداوار، خرید و فروخت یا اشیا اور حقیقی خدمات کی تقسیم سے ہو۔ پس نقدی، اشیا کے بنانے والے اور اسے فروخت کرنے والے کے درمیان یا پھر فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان واسطے کا کردار ادا کرتی ہے، (خدمات کے متعلق بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے)۔ لیکن نقدی، سرمایہ رکھنے والے دو افراد کے درمیان واسطہ نہیں بن سکتی۔ کسی اسلامی معاشرے میں کوئی ایسا گروہ وجود میں نہیں آ سکتا جو کسی مفید پیداواری سرگرمی یا اشیا کی خرید و فروخت میں شامل ہوئے بغیر محض نقدی کو ادھار دینے کے کام میں مصروف ہو۔ پس نقدی، فی نفسہ رزق حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ رزق تو کوشش، حرکت، عمل اور پیداوار میں ہے۔ نقدی ان کوششوں کو محفوظ کر لینے کا اور پھر ضرورت کے وقت ان کو اشیا اور خدمات سے تبدیل کر لینے کا ایک ذریعہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Tool) ہے۔

ربا حاصل کرنے والی سرگرمیوں، اور منافع حاصل کرنے والی سرگرمیوں میں اہم فرق تجارتی اور اقتصادی خطرات کا وجود ہے۔ تجارتی کاموں میں متوقع آمدن احتمالی (غیر حتمی) ہوتی ہے، اور ایسا ہی خرید و فروخت، پیداواری اعمال اور زراعت یا صنعت میں کی جانے والی سرمایہ کاری کی صورت میں ہوتا ہے جب کہ سود پر دیا جانے والا قرض اس خطرے سے خالی ہوتا ہے کیونکہ قرض دینے والا قرض کی مدت پوری ہونے پر، اصل زر پر ایک متعین آمدن کی ضمانت حاصل کرتا ہے۔ اس لیے تجارتی سرگرمی کا تمام تر خطرہ قرض دار کو اٹھانا پڑتا ہے۔ پس ایسا بنکاری قرض، جس میں متعین سود کی ضمانت دی گئی ہو، اس میں قرض دینے والے کے لیے کوئی خطرہ موجود نہیں ہوتا ہے اور وہ قانون کی قوت سے اصل زر اور اس پر ملنے والے سود کے حصول کا حق رکھتا ہے۔ اگر قرض دار دیوالیہ ہو جائے، تو قانون مداخلت کرتا ہے اور اس کے اثاثہ جات کو فروخت کر کے قرض خواہ کو قرض اور سود کی رقم ادا کرتا ہے۔ پس منافع کا حصول اس وقت ہوتا ہے جب خطرہ مول لیا جائے، جب کہ قرض پر حاصل کیا جانے والا یقینی اضافہ حرام ربا ہے۔

اسلامی نظام بنکاری میں مشارکت اور بیع مؤجل کی مختلف اقسام کو شرعی حدود اور شرائط کے دائرے میں رہتے ہوئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مشارکت سودی بنیاد پر مالیات کی فراہمی کا قریب ترین متبادل ہے، جس میں دونوں فریق خطرہ مول لینے میں اشتراک کرتے ہیں اور پھر حاصل ہونے والے منافع کو باہم تقسیم کر لیتے ہیں۔ سودی قرض کی صورت میں تمام تر خطرہ قرض دار کو مول لینا پڑتا ہے، جب کہ اسلامی بنکاری نظام میں دونوں فریق مل کر نقصان برداشت کرتے ہیں اور اگر منافع ہو تو اسے باہم تقسیم کر لیتے ہیں۔ پس صاحبِ مال، مال میں خسارہ برداشت کرتا ہے اور محنت کرنے والا فریق اپنی کوشش اور محنت کا نقصان برداشت کرتا ہے۔

لیکن اب تک ہونے والے اسلامی بنکاری کے تجربات میں مشارکت کو مناسب اہمیت دیے جانے کے باوجود، اس کو اسلامی بنکاری نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ ان شاء اللہ مستقبل میں بالخصوص ایسے اقتصادی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتماعی اداروں کے قیام کے بعد جن کی حمایت اور تعاون کی اسلامی بنکوں کو ضرورت ہوتی ہے، سرمایہ کاری مشارکت کے طریقے پر ہی کی جائے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

سود اور قوت خرید میں تغیرات

بنکوں کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے نقدی کی قوت خرید میں کمی کو بار بار بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بنکوں کا سود ربا نہیں ہے۔ کیونکہ "ربا" تو بڑھوتری اور اضافے کو کہتے ہیں جب کہ سود تو نقدی کی قوت خرید میں کمی کا معاوضہ ہے کیونکہ موجودہ دور میں چیزوں کی قیمتیں مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ اس لیے قرض خواہ، قرض دار سے قرض کی واپسی کے وقت اتنی قوت خرید حاصل نہیں کرتا جتنی اس نے قرض دار کو دی تھی جس کے لیے ضروری یہ ہے کہ قرض خواہ اپنی دی ہوئی رقم کی تقریباً اصل قیمت وصول پائے۔ یعنی اتنی اشیا اور خدمات (Goods and Services) وہ خرید سکتا ہو جتنی وہ قرض پر دی ہوئی رقم سے خرید سکتا تھا۔ اس لیے کہ انسان اشیا کا حاجت مند ہوتا ہے، اسے کرنسی نوٹوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ان افراد کے مطابق بنک کے کھاتہ دار (Depositors) یا قرض دینے والا حقیقتاً کوئی اضافہ وصول نہیں کرتا، اگرچہ نقدی کی صورت میں وہ زیادہ رقم وصول کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ درحقیقت یہ اضافہ نقدی کی قوت خرید میں کمی کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قیمتوں میں بہت زیادہ تبدیلی معاشرے کو نقصان سے دوچار کر دیتی ہے۔ قیمتوں میں مسلسل اضافے کا رجحان معاشرے میں آمدن اور دولت کی تقسیم (Distribution of income and wealth) پر اثر انداز ہوتا ہے اور متعین آمدن والے افراد (مثلاً تنخواہ دار) یا وہ جن کی آمدنی معاہدے کے ذریعہ طے ہوتی ہے۔ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک لمبے عرصے تک تبدیل نہیں ہوتی، معاشی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں۔ وہ ممالک جہاں تصاعدی ٹیکس (Progressive Tax) کا نظام ہوتا ہے، افراد، افراطِ زر (Inflation) کے سبب اپنی آمدن میں سے نسبتاً زائد شرح سے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔

اس بارے میں اسلامی شریعت کا موقف بڑا واضح ہے کہ افراطِ زر لوگوں کے درمیان ظلم کا سبب بنتا ہے۔ یہ اجتماعی قدروں کو پامال کرتا ہے، قیمتوں میں مزید اضافے کا رجحان پیدا کرتا ہے اور آمدن کی سطح کے فرق کو مزید زیادہ کرتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاشرے اور معیشت میں بگاڑ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے، گرانی سے پناہ مانگی۔ اس لیے یہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اقتصادی پالیسیاں وضع کرتے وقت قیمتوں کے استحکام کو پیش نظر رکھے۔

افراطِ زر ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ اس لیے افراد کا باہم ایک دوسرے کو اس کا ذمہ دار قرار دینا، افراطِ زر کے مسئلے کو اور بھی سنگین کر دیتا ہے۔ لہٰذا افراد کو یہ تصور کرتے ہوئے سود پر قرض دینا، کہ یہ اضافی رقم نقدی کی قوتِ خرید میں کمی کا عوض ہے عادلانہ اور قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں قرض دار کو، قوتِ خرید میں کمی کا ذمہ دار سمجھا گیا ہے۔ قیمتوں کی سطح کو مستحکم رکھنا اور افراطِ زر کے مسئلہ کا حل نکالنا، افراد کی نہیں مملکت اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔

قیمتوں میں مسلسل اضافہ بلاشبہ نقدی کی قوتِ خرید میں کمی کر دیتا ہے، لیکن یہ اثر ہر طرح کے اموال پر ہوتا ہے۔ جو نقدی بنک میں رکھی گئی ہے، اگر اس کی قوتِ خرید میں کمی ہو گی تو یہی چیز اس نقدی کے ساتھ بھی پیش آئے گی جو ہماری جیب میں یا ہمارے گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ اس لیے جب ہم اپنے پاس موجود نقدی کی قوتِ خرید برقرار نہیں رکھ سکتے، تو پھر کس طرح ہم قرض دار سے یہ ضمانت طلب کر سکتے ہیں کہ وہ ہمیں اتنی ہی قوتِ خرید واپس لوٹائے جتنی قوتِ خرید نقدی کی اس وقت ہے۔

اکثر لوگ ایسے معاہدے کا فرق نہیں جانتے جس میں نقدی کی قوتِ خرید کی صلاحیت اور بقا کی ضمانت دی گئی ہو۔ انھیں اس چیز کا بھی علم نہیں ہوتا کہ کس نوعیت کا قرض میرے لیے نفع بخش ہو گا، چاہے نقدی کی حقیقی قیمت کو لیا جائے یا ظاہری قیمت کو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اگر میں یہ رقم خود رکھوں گا تو اس کی قوت خرید کم ہو جائے گی، لیکن اگر میں اسے بنک یا کسی فرد کو قرض دے دوں گا تو وہ اس کی قوتِ خرید کی حفاظت کی ضمانت دے گا۔ اس طرح مجھے قرض دینے سے فائدہ ہوگا جب کہ قرض پر حاصل کیا جانے والا ہر فائدہ ربا ہے، چاہے بنک سے ہو یا فرد سے۔ اس چیز کو فی الحال نظر انداز کرتے ہوئے کہ سود کیا واقعی نقدی کی قوت خرید میں کمی کا معاوضہ ہے یا نہیں؟ غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو سود بنک اپنے کھاتہ داروں کو ادا کرتا ہے، وہ شرح، رقم بنک میں جمع کرواتے وقت ہی معلوم ہوتی ہے، جب کہ قیمتوں کی سطح میں تغیر کا سال کے آخر میں ہی پتہ چلتا ہے اور بنک قانوناً اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے طے شدہ شرح کے مطابق سود ادا کرے، قطع نظر اس کے کہ قیمتوں کی سطح میں کتنا تغیر واقع ہوا ہے۔ حتیٰ کہ اگر قیمتوں میں کمی ہونے کے باعث نقدی کی قوت خرید میں اضافہ بھی ہو جائے، پھر بھی بنک اصل رقم پر کچھ اضافی رقم ہی ادا کرے گا، حالانکہ رقم کا قوت خرید سے منسلک ہونے کی صورت میں تو اصل رقم سے کم ادائیگی کرنی چاہیے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ بنکوں کے سود کا نقدی کی قوتِ خرید سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

بعض لوگ دلیل دیتے ہیں کہ افراطِ زر کی موجودگی میں شرح سود میں اضافہ ہو جاتا ہے اور کساد بازاری (Recession) کے زمانے میں شرح سود کم ہو جاتی ہے، اس لیے شرح سود قیمتوں میں تبدیلی (یا نتیجتاً نقدی کی قوت خرید) سے منسلک ہے۔ یہ دلیل قابل قبول نہیں ہے کیونکہ پہلی بات یہ ہے کہ افراطِ زر کے زمانے میں ہر چیز کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے جب کہ ان کے درمیان آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بنک ایک طے شدہ شرح پر سود ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ یعنی اگر چیزوں کی قیمتیں بہت زیادہ کم ہو جائیں تو پھر بھی بنک اصل رقم میں سے کچھ کٹوتی نہیں کر سکتا۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ سود کا نقدی کی قوت خرید سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

جس طرح یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ افراطِ زر کو بڑھنے سے روکے اور معاشرے کو نقدی کی قوتِ خرید میں کمی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقصانات سے محفوظ رکھے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ لوگ اپنے آپ کو ایسی صورتِ حال سے محفوظ رکھنے کی کوشش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں۔ وہ ایسے جائز طریقے استعمال کریں جن میں قوت خرید کے استحکام کی ضمانت موجود ہو۔ مثلاً اگر ملکی کرنسی کمزور ہو (یعنی اس کی قیمت میں کافی تغیر ہو رہا ہو) تو قرض کسی اور مستحکم کرنسی میں دیا جا سکتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کرنسی کا حصول آسان ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ قرض معدنیات (مثلاً سونا یا چاندی) کی بنیاد پر دیا جائے۔ لیکن اس میں خیال رکھا جائے کہ دیتے وقت اور وصول کرتے وقت وہ معدن (سونا یا چاندی) ہی لی اور دی جائے۔

قدیم زمانوں سے فقہا اور ماہرینِ اقتصادیات نقدی کی قوت خرید میں کمی کے مسئلے پر غور و فکر کرتے رہے ہیں اور جو تجاویز اس مشکل کے حل کیے لیے پیش کی گئی ہیں، ان میں ایک انڈیکسیشن (Indexation) ہے۔ یعنی قرضوں کو ضروریاتِ زندگی کے اخراجات سے مرتبط کر دینا۔ اگر ان اخراجات میں اضافہ ہو جائے یا کمی ہو جائے تو قرض کی رقم بھی اسی تناسب سے کم یا زیادہ کر دی جائے۔ ہر چند کہ اس بات پر فقہا کا اختلاف ہے، لیکن اگر ایسا ممکن ہو جائے، تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سود حلال ہے، کیونکہ اس تجویز کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ تجویز تو افراطِ زر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات کو حل کرنے کے لیے ایک طریقہ ہے۔

حالات چاہے جیسے بھی ہوں، قرضوں کو غیر ملکی کرنسی سے منسلک کرنا افراد اور حکومت دونوں کے لیے کوئی آسان کام نہیں ہے، کیونکہ اکثر بین الاقوامی کرنسیاں بھی غیر مستحکم ہوتی ہیں۔ اسی طرح قرضوں کو اخراجاتِ زندگی سے مرتبط کرنے کا نتیجہ افراطِ زر میں مزید اضافے کا سبب بنتا ہے اور یہ پالیسی جلتی پر تیل ڈالنے کے مترادف ہے۔ درست بات تو یہ ہے کہ دونوں طریقوں کا مقصد افراطِ زر کے مسئلہ کو بہانہ بنا کر سود کو جائز ثابت کرنا ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت میں مشارکت کا طریقہ افراطِ زر کے مسئلہ کا زیادہ اچھا حل ہے، کیونکہ قیمتوں کے زیادہ ہونے کی صورت میں منافع کی شرح میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے یعنی نقدی کی قوت خرید میں کمی کا متبادل مل جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں قرضوں کا کردار محدود ہے کیونکہ فقہا کے نزدیک قرض کا مقصد باہم تعاون ہے۔ لیکن جس طرح کہ سرمایہ دارانہ نظام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پیداواری مقاصد کی لیے قرض لیا جاتا ہے، یہ رویہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اسلام میں تو معاشی سرگرمیاں مشارکت کی مختلف اقسام کے ذریعہ انجام دی جاتی ہیں۔

قدیم معاشروں میں موجودہ دور کی طرح قیمتوں کی سطح میں اتنی تیزی سے اتار چڑھاؤ نہیں ہوا کرتا تھا۔ جس کی وجوہ یہ تھیں کہ اس وقت معاشرے ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ ان کے درمیان رابطے کے ذرائع بہت محدود تھے، اور نقدی کی لیے اشیا مثلاً سونا اور چاندی وغیرہ استعمال ہوتی تھیں۔ ان معدنیات کی ایک محدود مقدار ہی دستیاب ہوا کرتی تھی، کیونکہ ان کے نکالنے اور نقل و حمل میں بہت زیادہ دشواریاں حائل تھیں۔ قیمتوں میں استحکام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آبادی میں اضافہ کی شرح اقتصادی ترقی کی شرح کے قریب ہوتی تھی، اس لیے اشیا اور خدمات کی طلب (Demand) اور رسد (Supply) کی مقدار طویل مدت تک برابر ہوتی تھی۔ جب کہ موجودہ دور میں دونوں معدنیات بطور نقدی استعمال نہیں ہوتیں اور ان کی قیمت دیگر اشیا کی طرح بین الاقوامی سطح پر قرار پاتی ہے، ان معدنیات کی تجارت میں اضافے اور چند ملکوں کا ان کی پیداوار پر قبضہ، وہ وجوہ ہیں جس کے باعث ان کی نقدی والی حیثیت ختم ہو گئی ہے، اب خود ان کی قیمتوں میں استحکام باقی نہیں رہا اور معیشت میں ان کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی ہے۔

سود اور شرح بچت

ماہرین اقتصادیات سے اکثر یہ بات سننے کو ملتی ہے کہ "کسی بھی ملک میں اقتصادی ترقی کے لیے سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے لیے بچت کا ہونا ضروری ہے، اور لوگوں کو بچت پر آمادہ کرنے لیے سود کی موجودگی ضروری ہے، کیونکہ اگر لوگوں کو اپنی بچت پر متعین آمدن ملنے کی توقع نہ ہو تو وہ اسے بنک میں جمع نہیں کروائیں گے جو کہ دوبارہ سرمایہ کاری کے لیے استعمال کی جاسکے"۔

اسلام کے اجتماعی مقاصد میں اقتصادی ترقی کا حصول اور معاشرے میں افراد کے معیار زندگی میں بہتری شامل ہے۔ بلاشبہ اقتصادی ترقی کی ایک مطلوبہ شرح حاصل کرنے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے، اسی نسبت سے سرمایہ کاری بھی کی جانی ضروری ہے لیکن یہ بات درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر سود کے لیے دلیل نہیں بن سکتی:

۱۔ جن ممالک میں سود کو جائز سمجھا جاتا ہے، ان کا مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایک بنک اپنے کھاتہ داروں کو زیادہ سود ادا کرتا ہے تو لوگ دوسرے بنکوں سے اپنی رقم نکلوا کر اس بنک میں جمع کروا دیتے ہیں۔ شرح سود میں اضافے کا بچت پر اثر یقینی نہیں ہوتا۔ ماہرین اقتصادیات کے نزدیک قابل ترجیح رائے یہ ہے کہ نظری طور پر شرح سود کی تبدیلی کے، مجموعی بچتوں پر اثرات کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ شرح سود میں اضافے سے بچتوں میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے، کمی بھی ہو سکتی ہے اور وہ اپنی سابقہ سطح پر برقرار بھی رہ سکتی ہیں۔

۲۔ سود کے اثرات جو بھی ہوں، لیکن اس کی بنیادی حیثیت، بچت کرنے والوں کو ان کی بچت پر ملنے والے معاوضے کی ہے اور اسلام میں سود کے ممنوع ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بچت کرنے والوں کو کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ وہ اپنی بچتوں کے استعمال سے حاصل ہونے والے منافع میں سے حصہ پائیں گے، لیکن وہ حصہ پہلے سے طے شدہ نہیں ہو گا۔

۳۔ بچت پر حاصل ہونے والی آمدن کی شرح چاہے حلال منافع سے حاصل کی جائے یا حرام سود سے حاصل کی جائے، امر واقعہ ہے کہ ان افراد پر ان منفعتوں کی نسبت زیادہ اثر ان کے رسم و رواج اور معاشرتی اقدار کا ہوتا ہے۔ اکثر تحقیقات یہ ثابت کرتی ہیں کہ بعض معاشروں میں قدرتی طور پر اپنی آمدنیوں کا بڑا حصہ بچانے کا رجحان پایا جاتا ہے، ان دیگر معاشروں کے مقابلے میں جہاں سود کی شرح اس معاشرے کے شرح سود کے برابر ہو۔ مثال کے طور پر جاپانی افراد اپنی آمدنی کا بڑا حصہ بچاتے ہیں، اگرچہ شرح سود، جو وہ حاصل کرتے ہیں، دیگر ممالک کے مقابلے میں کم ہے۔ بعض دوسری تحقیقات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ امریکہ میں ریلوے کے ملازمین گذشتہ ۷۰ سالوں سے اپنی آمدن کا ایک متعین حصہ بچاتے رہے ہیں اور اس مدت میں کوئی تبدیلی اس میں واقع نہیں ہوئی ہے اگرچہ اس دوران شرح سود تبدیل ہوتی رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان ملازمین کی مروجہ عادات پر بنک کی شرح سود سے زیادہ اثر ان کے اپنے اجتماعی طرزِ عمل کا ہوا۔

۴۔ سب سے اہم سبب جس کے تحت لوگ بچت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، وہ ریٹائرمنٹ کے بعد بڑھاپے کی زندگی کے اخراجات ہیں۔ جیسا کہ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر موڈ گلیانی (Prof. Modgliani) نے اپنی تحقیقات میں ثابت کیا ہے۔ امریکہ میں جاپان اور مغربی یورپ کے مقابلے میں کم شرح بچت کا سبب، وہاں پر اجتماعی بیمہ کے ادارے کی موجودگی اور بے روزگاری الاؤنس کی ادائیگی کو شمار کیا جاتا ہے۔ شرح بچت کا زیادہ انحصار آمدن کی سطح پر ہوتا ہے نہ کہ بچت سے حاصل ہونے والے منافع کی شرح پر۔ چنانچہ ایک غریب شخص کوئی بچت نہیں کرتا، چاہے شرح منافع کتنی زیادہ ہو۔ اور جس شخص کے پاس مال اپنی ضرورت سے زائد ہوتا ہے، وہ بچت کرتا ہے، چاہے شرح منافع منفی ہی کیوں نہ ہو (جیسا کہ ایک آدمی اپنے مال کی حفاظت کے لیے اخراجات برداشت کرتا ہے)۔

۵۔ مسلم ممالک میں لوگوں کا بنکوں میں رقومات جمع نہ کروانے کا ایک بڑا سبب ان بنکوں کا حرام سود کے ساتھ لین دین بھی ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ بنکوں کے سودی لین دین میں ملوث ہونے کے سبب اپنی رقومات ان میں جمع کروانے کے بجائے اپنے پاس نقدی کی شکل میں رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں، جو کہ معاشی طور پر غیر فائدہ مند ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تقریباً تمام مسلم ممالک میں علما ان سودی اداروں سے معاملہ کرنے سے روکتے ہیں۔

اس لیے اگر ان بنکوں کو سود سے پاک کر دیا جائے تو مسلم معاشروں میں اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ بنکاری نظام اس معطل پڑے ہوئے سرمائے کو بھی حاصل کر سکے گا، جو ابھی لوگوں کے سود سے دور رہنے کی وجہ سے بنکوں میں جمع نہیں کروایا جاتا۔

آخری بات یہ ہے کہ ایک آزاد معاشی نظام میں سرمایہ کاری کی شرح کا انحصار متوقع منافع کی شرح پر ہوتا ہے، بچت کی شرح پر نہیں۔ اس لیے جب سرمایہ کار یہ دیکھتے ہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متوقع شرح منافع میں کمی ہو رہی ہے تو سرمایہ کاری روک دیتے ہیں، چاہے بچت کی شرح کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ سرمایہ کاری کی شرح کا انحصار شرح منافع پر ہوتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ بچت کی شرح کو بھی سود کے بجائے شرح منافع سے مربوط کر دیا جائے، جیسا کہ اسلامی سرمایہ کاری کے طریقوں مشارکت اور مضاربت وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔

پیداواری قرضے اور صرفی قرضے

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "سود پر قائم جدید بنکاری نظام، ان نئے معاملات میں سے ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک اور زمانہ نزول وحی میں معروف یا مروج نہیں تھے۔ اور یہ کہ ربا کی حرمت کی وجہ یہ تھی کہ یہ ان قرضوں پر لیا جاتا تھا جن میں نادار آدمی کی کمزوری اور فاقوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا تھا اور یہ ظلم اس معاشرتی انصاف کے تقاضوں کے منافی تھا، جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے"۔

اس رائے کے حامل دانش وروں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اس دور کے قرضے، جن کی حاجت غریب لوگوں کو ہوتی تھی، صرفی مقاصد کے لیے ہوتے تھے، جب کہ موجودہ دور میں بنکاری نظام پیداواری سرگرمیوں پر توجہ دیتا ہے۔ آج کل بنک متوسط طبقے کی چھوٹی چھوٹی بچتوں کو جمع کر کے ایسے افراد کے سپرد کر دیتا ہے، جو اس سرمائے کو زرعی اور صنعتی شعبوں میں سرمایہ کاری کی لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے قرضوں کا پیداواری مقاصد کی لیے استعمال کرنا ایک جدید معاملہ ہے، اور مختلف حکم کا تقاضا کرتا ہے۔ اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ بنک کے سود کو بعینہ ربا کہنا ممکن نہیں ہے کیونکہ ربا کا تعلق حاجت مندوں کو صرفی قرضوں سے ہوتا ہے جو کہ پیداواری قرضوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اپنی اس رائے کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت اور ابتدائی زمانہ اسلام میں قرض صرف ذاتی ضروریات کے لیے ہی لیا جاتا تھا۔ اور قرض لینے والے ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے تھے۔ اس لیے اس نوعیت کے قرض پر اضافہ لینے کو حرام قرار دیا گیا۔

اس بات کو، بنک کے سود کو جائز قرار دینے کے لیے، دلیل کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ قول، کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں قرض صرف ذاتی حاجات کے لیے لیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا تھا، کسی دلیل یا تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قوی دلائل موجود ہیں جو اس دعوے کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ جاہلیت کے زمانے میں اکثر قرضے پیداواری نوعیت کے ہوتے تھے، صرفی نوعیت کے نہیں۔ سورۃ قریش میں قریش کے، گرمی اور سردی کے، جن سفروں کا ذکر ہوا ہے، وہ پیداواری مقاصد ہی کے لیے ہوتے تھے۔ اور قریش کے اکثر قرضوں کا تعلق انھی تجارتی سرگرمیوں سے ہوتا تھا اور حضرت عباسؓ کے جن قرضوں کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ "جاہلیت کے دور کے تمام سود معاف کیے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سود معاف کرتا ہوں"۔ تو کیا یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ایسے محتاجوں کو جو اپنی بقا کے لیے خوراک کی درخواست لے کر آتے سود پر قرض دیا کرتے ہوں گے جب کہ اس دور کے عرب اپنی سخاوت میں مشہور تھے۔

نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اخلاق کے بلند ترین نمونے کی تکمیل کے لیے آیا ہوں" اور بلند اخلاق کی باتوں میں سب سے نمایاں چیز مہمان نوازی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں ذاتی ضروریات بھی بہت محدود ہوا کرتی تھیں۔ اس لیے جس کسی کے پاس کھانے پینے کی اشیا، لباس اور رہائش میسر ہوتی تھی، وہ سودی قرض لینے کے لیے ضرورت مند نہیں ہوتا تھا۔ جس کو یہ چیزیں میسر نہیں ہوتی تھیں، وہ دوسروں کی سخاوت سے فائدہ اٹھاتا تھا اور سودی قرض لینے سے بے نیاز رہتا تھا۔ تو کیا ایسے معاشرے میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ قرض محض صرفی مقاصد کے لیے ہی ہوتے ہوں گے؟

درحقیقت افراد مختلف مقاصد کے لیے قرض لیتے تھے، جن میں سب سے نمایاں سبب تجارت اور پیداوار تھا۔ قبائل ان مقاصد کے علاوہ جنگوں کے اخراجات اور اپنے دفاع کے انتظامات کے لیے بھی قرض لیا کرتے تھے۔ یہ تمام سرگرمیاں صرفی نوعیت کی نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آیت

لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آل عمران ۳:۱۳۰)

یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو۔

یہ آیت قبیلہ بنو ثقیف کے متعلق نازل ہوئی تھی، جو کہ قبیلہ بنی المغیرہ سے قرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیتے تھے۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ قرض کا لین دین صرف صرفی مقاصد ہی کے لیے نہیں ہوتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے دو صاحبزادوں کو ان اموال غنیمت میں سے بغرض تجارت قرض دے دیا جو کہ بیت المال کو روانہ کیا جا رہا تھا۔ جب مسلمانوں کا یہ لشکر مدینہ پہنچا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس نوعیت کے قرض دینے پر اعتراض کیا، اور اس معاملے کو بجائے قرض کے مضاربت کا معاملہ قرار دیتے ہوئے منافع کا نصف حصہ بیت المال میں جمع کروا دیا--- اگر حرمت صرف صرفی قرضوں پر سود لینے کی تھی تو حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو یہ تجارتی نوعیت کا قرض سود پر دینے میں کیوں تردد ہوا؟

حضرت زبیرؓ بن العوام اپنے وقت کے سب سے مال دار آدمی تھے۔ وہ کسی سے بھی مال بطور امانت قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ بغیر کسی اضافے کی شرط کے قرض کے طور پر وصول کرتے تھے، تاکہ اس مال کو تجارت میں استعمال کرنا ممکن ہو جائے اور مال کی واپسی کی ذمہ داری بھی ان پر آ جائے (جب کہ امانت کی صورت میں کسی نقصان کے پورا کرنے کی ذمہ داری امانت لینے والے پر عائد نہیں ہوتی)۔ تو یہ سارے قرضے پیداواری نوعیت کے ہوتے تھے، جن پر کوئی اضافہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اگرچہ قرض دینے والوں کو یہ معلوم تھا کہ ان کے اموال تجارت میں استعمال ہو رہے ہیں، لیکن انھوں نے سود کا مطالبہ اس کی حرمت کی وجہ سے نہیں کیا، جب کہ انھیں یہ معلوم تھا کہ یہ قرض پیداواری مقصد کے لیے ہے، صرفی نوعیت کا نہیں ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ نظری یا عملی طور پر پیداواری اور صرفی قرضوں میں تفریق کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ قرض ایک ہی وقت میں پیداواری بھی ہو اور صرفی بھی ہو۔ یہ بات مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح کی جا سکتی ہے:

۱۔ فرض کریں کہ میں کار خریدنے کے لیے دو لاکھ روپے قرض لیتا ہوں۔ تو کیا یہ قرض پیداواری ہو گا یا صرفی؟ یہ اس وقت صرفی ہو گا جب میں کار کسی چھٹی کے دن اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ گھومنے پھرنے کے لیے استعمال کروں گا، اور اس وقت یہ پیداواری شمار ہو گا جب یہ گاڑی ٹیکسی کے طور پر یا سامان کی بار برداری کے لیے استعمال ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی۔

۲۔ جب میں یہ کار اپنے بچوں کو روزانہ صبح اسکول پہنچانے کے لیے استعمال کروں گا تو یہ عمل کسی پیداواری عمل سے مشابہ ہوگا یا صرفی عمل سے؟ ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ یہ صرفی ہے کیونکہ تم نے اپنے کنبہ کی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ممکن ہے کوئی اور یہ کہے کہ یہ پیداواری عمل ہے کیونکہ تعلیم ایک طرح کی سرمایہ کاری ہوتی ہے، تاکہ مستقبل میں اس کی وجہ سے کچھ زائد آمدن حاصل ہو سکے۔ اس لیے بچوں کو اسکول پہنچانے کا عمل پیداواری بن جاتا ہے۔

۳۔ مزید وضاحت کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ رقم میں نے کار کے بجائے خوراک خریدنے کے لیے قرض لی ہے کیونکہ میں بھوکا ہوں اور میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ خوراک جو کہ پہلی نظر میں صرفی نوعیت کی چیز معلوم ہوتی ہے لیکن اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ پیداوار کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔ کیا آپ نے کسی شخص کو کھانا کھائے بغیر کام میں مصروف دیکھا ہے؟۔ لہذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پیداواری اور صرفی اغراض میں فرق کرنا ممکن نہیں ہے۔

۴۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ کوئی سرمایہ کار پیداواری سرگرمی کے طور پر گندم کاشت کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے معروف عاملین پیدائش یعنی زمین، محنت اور سرمایہ استعمال کرتا ہے۔ اس پیداواری سرمایہ کاری کے لیے وہ کسی بینک سے قرض حاصل کرتا ہے۔ بظاہر یہ سرگرمی پیداواری ہی نظر آتی ہے اور صرفی نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر ہم بغور دیکھیں کہ سرمایہ کار یہ قرض حاصل کرنے کے بعد اس کا کیا کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کار ان پیسوں کو عاملینِ پیداوار کی خدمات کے معاوضے کی ادائیگی کے لیے استعمال کرتا ہے، جس کا زیادہ تر حصہ مزدوروں کو جاتا ہے اور وہ یہ معاوضہ اپنی بنیادی ضروریات مثلاً غذا، لباس، اور رہائش وغیرہ پوری کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے یہ قرض پیداواری کے بجائے صرفی نوعیت کے زیادہ قریب ہے۔ تو کیا ہم ایسے قرض پر سود وصول کریں کہ یہ پیداواری ہے یا سود معاف کر دیں کہ یہ صرفی ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختصر یہ کہ قرض میں پیداواری اور صرفی نوعیت کے ہونے میں فرق کرنا نہ صرف عملی بلکہ نظری طور پر بھی ناممکن ہے۔ اس لیے یہ قول، کہ موجودہ دور میں قرضے پیداواری ہوتے ہیں اور دور جاہلیت کے قرضے صرفی ہوتے تھے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تفریق کرنا ممکن ہے اور یہ کہ دور جاہلیت کے قرضے صرفی مقاصد کے لیے ہوتے تھے تو بھی واضح دلیلیں موجود ہیں کہ پیداواری قرضوں پر بھی سود لینا حرام تھا۔

اسلامی شریعت "مضاربت" کے معاہدے میں کسی ایک فریق کے لیے یقینی منافع کی ضمانت کی اجازت نہیں دیتی، بلکہ یہ بھی جائز نہیں ہے کہ منافع کے کچھ حصے کے بارے میں کوئی شرط عائد کی جائے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ ہونے والے منافع میں سے پہلے سو روپے میرے ہوں گے۔ اگر پیداواری قرضوں پر سود لینا جائز ہوتا (یعنی اصل زر اور مقررہ منافع کی ضمانت) تو مضاربت میں، جو کہ پیداواری سرگرمی ہے، بطریق اولیٰ منافع کی ضمانت لینا یا منافع میں سے کچھ حصے کی ضمانت حاصل کرنا جائز قرار دیا جاتا۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا حضرت عمر فاروقؓ کے دو صاحبزادوں کے ساتھ ہونے والا واقعہ، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا، حرمت ربا پر یعنی چاہے قرض تجارتی مقصد کے لیے ہی کیوں نہ ہو، اور چاہے اس میں ظلم بھی موجود نہ ہو منافع کے حصول کی ضمانت لینے کی ممانعت پر، اتفاق تھا۔

سود اور بین الاقوامی قرضوں کا مسئلہ

سودی لین دین کے نقصانات معاشرے میں بعض افراد تک محدود نہیں رہتے، بلکہ یہ تمام قوم کے جسم میں سرایت کر جاتے ہیں۔ بین الاقوامی قرضوں کا مسئلہ ان مسائل میں سے ایک ہے جنھوں نے عالمی اقتصادی نظام کے وجود کو چیلنج کیا ہوا ہے۔ قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے بعض ملکوں کے اقتصادی مسائل، بین الاقوامی تعلقات میں پیچیدہ مشکلات کا سبب ہیں۔ کسی ملک میں اندرونی طور پر اس مسئلہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معیار زندگی پست ہو جاتا ہے، اقتصادی ترقی میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع فراہم نہیں کیے جا سکتے۔ دوسری طرف مقروض ممالک اپنے ترقیاتی پروگرام پر نظر ثانی کرنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر مجبور ہو جاتے ہیں، تاکہ اپنے قرضے ادا کر سکیں۔ پیداواری ادارے کام کرتے ہیں اور پیداوار دیتے ہیں، لیکن ان کا منافع اپنے ملک کے لوگوں کی خوشحالی کے لیے نہیں بلکہ قرض دینے والے بینکوں کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مثلاً لاطینی امریکہ کے بعض ترقی پذیر ممالک برازیل اور میکسیکو وغیرہ، جو کہ ہزاروں ملین ڈالر قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں، وہ ان قرضوں کی ادائیگی کے نہ تو قابل ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں اور یہ معاملہ شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یوں ہی جاری رہے گا۔ ہر سال ان قرضوں پر سود ادا کیا جاتا رہے گا اور یہ سود جس کی مقدار بھی ہزاروں ملین ڈالر ہوتی ہے، اگر ماہانہ بنیاد پر ادا کیا جاتا رہے تو یہ ممالک مناسب شرح ترقی حاصل نہیں کر سکتے بلکہ بعض اوقات اپنے شہریوں کے معیار زندگی کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔

عالمی اقتصادی نظام کے اس حالت تک جانے کا اصل سبب سرمایہ کاری کے لیے سود کو بنیاد بنانا ہے۔ ۲۰ ویں صدی کے ساتویں عشرے میں، بین الاقوامی بنکوں کو، حاصل شدہ رقومات کی کثیر مقدار اور امریکہ کی بعض مالیاتی پالیسیوں کی وجہ سے، حقیقی شرح سود بہت زیادہ کم ہو گئی، یہاں تک کہ اس دوران شرح سود کی اوسط چار فی صد اور بعض اوقات اس سے بھی کم رہی۔ اس چیز نے بہت سارے ترقی پذیر ممالک کو ان بین الاقوامی بنکوں سے قرض لینے پر ابھارا۔ ان ممالک کو یقین یہ تھا کہ ان قرضوں سے لگائے جانے والے منصوبہ جات کی شرح منافع، سود کی شرح سے زیادہ رہے گی، جس کی وجہ سے ان کی برآمدات کی شرح میں اضافہ ہو گا۔

اس ساری بات میں اہم ترین نکتہ وہ طریقہ کار ہے جو ان بین الاقوامی قرضوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ سودی بنک قرض دیتے ہوئے، چاہے ملکی سطح ہو یا بین الاقوامی سطح، وہ قرض دار کی ادائیگی قرض کی استطاعت پر نظر رکھتے ہیں اور ان منصوبہ جات کی ممکنہ منفعت کو نہیں دیکھتے جن کی سرمایہ کاری ان قرضوں کے ذریعہ سے کی جا رہی ہے۔ افریقہ، ایشیا اور جنوبی امریکہ کے اکثر ترقی پذیر ممالک میں کسی منصوبے کا فنی بنیادوں پر تجزیہ کرنے کی حقیقی صلاحیت موجود نہیں ہے، جس کی بنا پر وہ اکثر ان مشوروں پر اعتماد کرتے ہیں جو جدید ساہوکاری کے علم بردار ان بنکوں یا ان سے منسلک دوسری تنظیموں کی طرف سے دیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے، کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ سرمایہ دار کو اپنے مال کی سلامتی کی فکر ہوتی ہے۔ اس لیے وہ قرض جاری کرنے سے پہلے منصوبہ جات کے منفعت بخش ہونے کے بارے میں تسلی کر لیتے ہیں۔

لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان میں سے اکثر منصوبہ جات کی نہ تو کوئی اقتصادی اہمیت تھی اور نہ ان کا منافع اتنا تھا کہ ان میں بذریعہ قرض سرمایہ کاری کرنے کا خطرہ مول لیا جاتا، جب کہ بنک اس لیے مطمئن تھے کہ ان کا سرمایہ نقصان کے خطرے سے محفوظ ہے کیونکہ انھوں نے سرمایہ کاری، نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر نہیں بلکہ بذریعہ قرض کی ہے۔ اسی طرح بنکوں کے اطمینان کی دوسری وجہ یہ تھی کہ کوئی ملک شاذ و نادر ہی خود کو دیوالیہ ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے ان کی ادائیگی کی صلاحیت اطمینان بخش ہوتی ہے۔ پھر جب اقتصادی حالات تبدیل ہوئے اور ان منصوبہ جات کی حقیقت کھل کر سامنے آئی، جن میں سرمایہ کاری کی گئی تھی، تو ان ممالک کی حکومتوں نے محسوس کیا کہ وہ مشکل میں گرفتار ہوگئے ہیں۔ اب ان سے مطالبہ کیا جارہا تھا کہ یا تو قرض کی ادائیگی کریں یا پھر ان کا سود ادا کرتے رہیں، جب کہ منصوبہ جات سے حاصل ہونے والے متوقع منافع کی امیدیں ختم ہو گئی تھیں۔ ان ممالک کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ سود کی ادائیگی کرتے رہیں کیونکہ بین الاقوامی قرض دینے والے اداروں (مثلاً عالمی مالیاتی فنڈ (IMF)، ورلڈ بنک اور مغربی ممالک کی حکومتوں کا اس بات پر دباؤ تھا کہ معاہدوں کی پابندی کی جائے، چاہے اس کے لیے ملکی کرنسی کی قیمت کم کر دی جائے، یا حکومت کی طرف سے بعض ضروری اشیا پر دی جانے والی رعایتیں (Subsidies) کم کر دی جائیں یا بعض بنیادی اشیا مثلاً بجلی اور توانائی کے دوسرے ذرائع کی قیمتیں ہوش ربا حد تک بڑھانی پڑیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عالمی قرض خواری کا بنیادی سبب، سودی سرمایہ کاری میں منصوبہ جات کی منفعت اور اہمیت کو مد نظر رکھنے کے بجائے قرض دار کی ادائیگی قرض کی اہلیت کو دیکھا جاتا ہے۔ لیکن مشارکت کی صورت میں، جو کہ اسلامی نظام سرمایہ کاری میں اہم ترین طریقہ ہے، اس مشکل کے ظہور پذیر ہونے کا امکان نہیں کیونکہ اس طریقے میں سرمایہ کار کی حیثیت شریک کار کی ہوتی ہے۔ اس صورت میں وہ کسی ایسے منصوبے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ کاری نہیں کرے گا جو خسارہ دینے والا ہو، کیونکہ آخر میں اسے خود بھی نقصان کا کچھ حصہ برداشت کرنا پڑے گا۔

یہی وجہ ہے کہ آج کل ہم مختلف آوازیں سنتے ہیں جو کہ مقروض ممالک کے سربراہان سے لے کر دانش ور اور ماہرین اقتصادیات بلند کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بین الاقوامی مالی معاملات کو قرض کے بجائے مشارکت کی بنیاد پر استوار کیا جائے، کیونکہ اس بدترین حالت سے بچنے کی یہی واحد ضمانت ہے، جب کہ دوسری صورت میں ترقی پذیر ممالک کی تمام محنتیں اور برآمدات کی آمدن، ان عالمی بنکوں کے مالکان کی جیب میں جانا شروع ہو جائیں اور پھر بھی سود کی مقدار ہر سال بڑھتی چلی جائے۔

جو کچھ بین الاقوامی حالات کے حوالے سے کہا گیا ہے، وہ ان ملکوں میں اندرونی طور پر بھی لاگو ہوتا ہے جو سودی لین دین کرتے ہیں۔ یعنی لوگوں کے تمام کام سود کے گرد گھومتے ہیں، چاہے وہ ظاہری ہو یا پوشیدہ۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ امریکہ میں لوگ اپنے اوپر عائد قرضوں پر اپنی آمدن کا ۵۰ فی صد سود کی ادائیگی پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی اور تمام سرگرمیاں سود کی ادائیگی کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سودی لین دین کی وجہ سے، بنک ان کے تمام اموال کے مالک بن جاتے ہیں۔

جاری اور میعادی کھاتوں کا سود

بعض کتب میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ جاری کھاتوں پر دیے جانے والے سود اور میعادی کھاتوں پر دیے جانے والے سود کے بارے میں شرعی حکم مختلف ہونا چاہیے۔ ان مصنفین کے خیال میں پہلی قسم کے کھاتوں پر سود دینا تو ناجائز ہے، جب کہ دوسری قسم کے کھاتے ایک جدید نوعیت کا معاملہ ہے، جس میں صرف ایک فریق یعنی بنک کو شرح منافع کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے، جو وہ اپنی وسیع کاروباری سوجھ بوجھ، مہارت اور بازار کے تجربہ کی روشنی میں کرتا ہے۔ ان میعادی کھاتوں کی نوعیت معاہدہ مضاربت کی طرح ہوتی ہے جس میں کھاتہ دار رب المال اور بنک عامل ہوتا ہے۔ جو رقم بنک کی طرف سے ادا کی جاتی ہے، وہ مجموعی منافع کا ایک جز ہوتا ہے، اور جہاں تک صاحب سرمایہ کی طرف سے منافع کی شرح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشگی مقرر کرنے کی بات ہے تو یہ شرط مضاربت کے معاہدے کو فاسد نہیں کرتی، کیونکہ مضاربت کی شرائط، اجتہادی ہیں اور اب حالات مختلف ہیں۔

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں عامل کو منافع کے بارے میں زیادہ علم ہوتا ہے کیونکہ اس کو بازار کا وسیع تجربہ ہوتا ہے۔ وہ منصوبہ جات کے منافع بخش ہونے کا فنی بنیادوں پر مطالعہ کرتا ہے جو کہ اس کی سابقہ معلومات میں اضافہ کا باعث بھی بنتا ہے۔ یہ سب چیزیں اس کو نقصان سے بچانے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کی رائے میں اس نتیجہ کے درست ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنک کو شاذ و نادر خسارے سے دوچار ہونا پڑتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بنک عام طور پر زبردست منافع کماتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سارا زور کلام شرعی اور اقتصادی دونوں لحاظ سے فاش غلطیوں پر مبنی ہے جو کہ ان لوگوں کی، بنک کے کام کی حقیقت، اس کی تنظیم اور منافع کمانے کے طریق کار سے لاعلمی کو ظاہر کرتی ہے۔ بنک شرعی معنوں میں منافع نہیں کماتے بلکہ صرف سود حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ بنک جمع شدہ رقوم کو قرض کے طور پر دیتا ہے تاکہ اسے متعین آمدن مل سکے جو کہ سود ہے۔ یہاں تک بنک کے سالانہ بجٹ اور اعداد و شمار کی دستاویز میں سرمایہ کاری کی جو مد دکھائی جاتی ہے، وہ بھی ایک طرح سے قرضے ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر اسناد (Certificates) خریدی گئی ہیں تو یہ حکومت یا کمپنی کے ذمہ، قرض کے طور پر ہیں۔ یا پھر دوسرے بنکوں سے، ان کا قرض خریدنے کی صورت ہوتی ہے۔ رہا خدمات کا معاوضہ جو بنک مختلف کاموں کے سلسلے میں حاصل کرتا ہے، تو وہ قرضوں پر حاصل ہونے والے سود کے مقابلے میں اتنا قلیل ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

تقریباً تمام دنیا میں بنکاری کے قوانین، بنکوں کو اپنا سرمایہ براہ راست کسی پیداواری سرمایہ کاری مثلاً زراعت، صنعت یا تجارت وغیرہ میں لگانے سے منع کرتے ہیں۔ جب بنک کسی صنعتی منصوبے کی یا تجارت کی مالی معاونت (Financing) کرتے ہیں، تو ان کی حیثیت سرمایہ کار کی نہیں ہوتی جو امکانی منافع کے حصول کے لیے اپنے سرمایہ کو خطرے میں ڈالتا ہے، بلکہ قرض دینے والے کی ہوتی ہے۔

بنک کے منافع کے یقینی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ منافع یقینی آمدن، جیسے قرض پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہونے والا سود یا اسناد کی آمدن پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور رہی یہ بات، کہ بنک منصوبہ جات کا فنی جائزہ لیتا ہے اور بازار کے بارے میں وسیع تجربہ رکھتا ہے، علمی طور پر غلط ہے، اس لیے کہ بنک یہ ساری تحقیقات قرض دار کی ادائیگی قرض کی استطاعت دیکھنے کے لیے کرتا ہے۔ ان بنکوں کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کہ قرض لینے والا کتنا منافع حاصل کرے گا۔ کتنے ہی سرمایہ کار ان فنی تحقیقات کے بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور پھر بھی بنک کے قرض کی ادائیگی سے نہیں بچ سکے۔ پھر یہ فنی جائزے اور تحقیقات کسی ایک دن بھی کسی منصوبے کی کامیابی کی ضمانت فراہم نہیں کرتیں، کیونکہ غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے جب کہ کاروباری اور ملکی حالات اس طرح سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں کہ ان کا پیشگی اندازہ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ اس نوعیت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، مثلاً ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کئی سال قبل ہزاروں ملین ڈالر پٹرول کے متبادلات کی پیداوار میں سرمایہ کاری کے لیے وقف کیے گئے۔ تمام تحقیقات اور فنی جائزے ظاہر کرتے تھے کہ پٹرول کی قیمتیں مسلسل بڑھتی رہیں گی۔ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ تمام منصوبے انتہائی غلط تھے۔ اس لیے یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ فنی جائزے وغیرہ حصولِ منافع کی یقینی ضمانت دیتے ہیں یا منصوبے کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے منافع اس خطرے کا بدل ہے جو سرمایہ کار اٹھاتا ہے۔ اگر ان فنی جائزوں کی وجہ سے خطرہ کم ہو جائے تو منافع بھی کم ہو جائے گا۔

پھر یہ بات کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ بنکوں کو سود کی بنیاد پر قرضے دینے سے روک دے۔ یہ بنکوں کے کام کی نوعیت سے ناواقفیت کو ظاہر کرتی ہے، اس لیے کہ یہ کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ بنک، کھاتہ داروں کو تو ایک متعین رقم کی پیشگی یقین دہانی کرائیں اور خود ان کے پیسوں سے منصوبہ جات میں جو سرمایہ کاری کریں، اس پر غیر یقینی منافع حاصل کر سکیں۔

بہتر ہوتا کہ اس رائے کے حامل افراد یہ کہتے کہ بنک کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کھاتہ داروں کو یقینی منافع کی ضمانت دے۔ بنک کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام کام "مشارکت" کی بنیاد پر انجام دے، جس میں بنک کے کھاتہ دار اور سرمایہ کاروں کے تعلقات سود کے بجائے منافع کی بنیاد پر ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ "معاہدہ مضاربت" کی شرائط، اجتہادی ہونے کے باعث، متعین منافع کی شرط عائد کرنا معاہدے کو خراب نہیں کرتا۔ یہ امر بھی ضروری ہے کہ شرائط صحیح اصولوں کے ذریعے اختیار کی گئی ہیں اور ان معاملات میں سے ہیں جن کو رسول ﷺ نے برقرار رکھا تھا کیونکہ نفع کے پیشگی تعین کی شرط کے عدمِ جواز پر اجماع موجود ہے، اس لیے اس کو بغیر دلیل کے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ متعین منافع کی شرط "مضاربت" کو قرض میں تبدیل کر دیتی ہے کیونکہ اس صورت میں معاملہ ایسے قرض کا بن گیا ہے جس پر اضافہ مشروط کر دیا گیا ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

ربا اور ظلم

اکثر یہ بات سننے اور پڑھنے میں آتی ہے کہ موجودہ بنکاری کے معاملات، جو سود کی بنیاد پر قائم ہیں، حرام نہیں ہیں، کیونکہ یہ کسی غریب آدمی پر ظلم کا سبب نہیں بنتے ہیں، جب کہ ان حضرات کے خیال میں سود کی حرمت کی بنیادی وجہ غریب آدمی پر ظلم ہے۔ یہ افراد دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں جس ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ غریب آدمی پر ظلم کا سبب بنتا تھا اور صاحبِ ثروت سود خور غریبوں کی ضرورتوں سے فائدہ اُٹھانے کا موقع حاصل کرتا تھا، اس لیے قرآن میں اس ربا کو حرام قرار دیا گیا۔ جہاں تک بنک کے سود کا تعلق ہے تو اس میں، ان لوگوں کے خیال میں، یہ ظلم نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ یہاں سود وصول کرنے والے، چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع کروانے والے غریب کھاتے دار ہوتے ہیں جب کہ سود ادا کرنے والے عموماً صاحبِ ثروت ہوتے ہیں، جو کہ بنک سے قرض لیتے ہیں اور کثیر نفع کماتے ہیں۔ اس بنیاد پر یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ موجودہ دور کا سود، اس ربا سے مختلف چیز ہے جس کو حرام قرار دیا گیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ربا میں ظلم پایا جاتا ہے، اور ہمارا دین عدل و انصاف پر مبنی قوانین وضع کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے ظلم کے اسباب کو ختم کرتا ہے۔ ظلم، ربا کا لازمی نتیجہ ہے، چاہے وہ ربا کی کوئی بھی صورت ہو۔ لیکن ظلم کو ختم کرنا ربا کی حرمت کی حکمت تو ہے علت نہیں۔ فقہ کے اصول کے مطابق حکمت کسی حکم کی اساس نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس کی اساس "علت" ہوتی ہے، جب کہ علت کے لیے لازمی شرط ہے کہ وہ متعین اور مستقل ہو۔ اس کے مقابلے میں ظلم ایک غیر متعین چیز ہے، جس کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفہوم حالات اور وقت کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ کسی معاہدے کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ وہ انصاف پر مبنی ہے یا اس میں ظلم پایا جاتا ہے جب تک کہ اخلاقیات، رسوم ورواج اور عادات کو مدِ نظر نہ رکھا جائے۔ اس وجہ سے اس معاملے میں وہ عمومیت باقی نہیں رہتی جو احکام کا لازمی حصہ ہوتی ہے۔ مثلاً کسی ایک شخص کو بنگلہ دیش میں کوئی مخصوص کام کرنے پر ایک ڈالر ادا کرنا عین انصاف ہوگا، لیکن اس شخص کو اسی کام کے لیے سعودی عرب میں ایک ڈالر ادا کرنا ظلم ہوگا، کیونکہ دونوں جگہ کے حالات مختلف ہیں۔ پس ربا کی حرمت کی علت، اضافی رقم کا لینا ہے۔ ظلم کا ختم کرنا اس حکم کی حکمت تو ہے، علت نہیں ہے۔

علت کے لیے شرط ہے کہ وہ ایک متعین صفت ہو اور افراد یا احوال و ظروف کے بدلنے سے تبدیل نہ ہو، یعنی کسی ایک کے لیے وہ ظلم ہو اور کسی دوسرے کے لیے وہی چیز عین عدل ہو۔ علت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایک ظاہری صفت ہو اور اس کا موجود ہونا اصل یا کسی جز میں محسوس کیا جا سکے۔ علت حکم کے وجود یا عدم کے ساتھ مربوط ہوتی ہے۔ یعنی اگر علت پائی گئی تو حکم لاگو ہوگا ورنہ نہیں۔ جب کہ حکمت تو نفع حاصل کرنے یا نقصان کو رفع کرنے کی مصلحت کا نام ہے اور یہ حکم کے وجود یا عدم کے ساتھ مربوط نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ حکمت پوشیدہ ہو اور اس کے وجود کو محسوس نہ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ حکمت غیر متعین ہوتی ہے، کیونکہ لوگ حکم کے نہ پائے جانے کی حکمت پر اختلاف ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسافر کے لیے دوران سفر روزہ نہ رکھنے کی اجازت کی حکمت مشقت کا دور کرنا ہے، جو کہ ایک غیر متعین چیز ہے۔ وہ حکم کی بنیاد نہیں بن سکتی، جب کہ حکم سفر سے مربوط ہے جو کہ ایک ظاہر اور متعین چیز ہے۔

اس لیے معاہدوں میں سے کسی معاہدے میں ظلم کا نہ پایا جانا کسی ضرورت کے تحت اس کو جائز نہیں بنا دیتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو کہ ابھی بیان کی گئی ہے یعنی ظلم کے مفہوم کا غیر متعین ہونا اور دوسری بات یہ ہے کہ جس چیز کی حرمت میں نص وارد ہو چکی ہو، اس کو اس طرح ہیر پھیر کر حلال کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی مالیاتی معاملے میں اگر دونوں فریق مطمئن ہوں تب بھی ان کو قرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر زیادہ لینا یا دینا جائز نہیں ہوگا، قطع نظر اس بات سے کہ ظلم موجود ہے یا نہیں۔ کیونکہ محض باہم رضامندی حرام کو حلال نہیں بنا دیتی ہے۔

ظلم سے روکنا مغربی قوانین کی اساس ہے، کیونکہ ان کا آخری ہدف شخصی آزادی کی حمایت ہے۔ ان کے نزدیک ظلم کی تعریف یہ ہے کہ کسی طاقت ور شخص کا کسی مجبور اور کمزور شخص کو کسی ایسے کام یا معاہدے پر مجبور کرنا، جس میں اگر وہ دونوں برابر کے ہوتے تو وہ شامل ہونا پسند نہ کرتا۔ اس لیے ان قوانین میں زنا کو حرام قرار نہیں دیا گیا، لیکن ہم وطن کے حق کو غصب کرنا حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ان کی تعریف کے مطابق اس میں ظلم پایا جاتا ہے اس لیے یہ حرام ہے۔ اسی طرح قتل تو حرام ہے کیونکہ اس میں ظلم موجود ہے لیکن مغربی قوانین میں خود کشی حرام نہیں ہے، کیونکہ یہ شخصی آزادی کا اظہار ہے جس کی قانون حمایت کرتا ہے اور اس میں کوئی ظلم نہیں پایا جاتا، جس کی بنا پر اسے حرام قرار دیا جائے۔

اس کے برعکس اسلامی شریعت کے بنیادی اصول اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام

وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر ۵۹:۷)

اور جو کچھ رسول تمھیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (البقرہ ۲:۱۸۷)

یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا

اسلامی قوانین کے مصادر یعنی قرآن، سنت، قیاس اور اجماع سے اخذ کیے جاتے ہیں۔

کسی شرعی حکم کی حکمت کا، غور و فکر کے لیے اور مسلمانوں کے ایمان کی مضبوطی کے لیے معلوم ہونا بنیادی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کے علم میں اضافہ ہوگا کہ دین کے احکام میں منطق اور عدل پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ حکمت، فتویٰ دینے کی جرات کرنے اور حرام اشیا کے حلال کر دینے کا راستہ نہیں ہے۔

اب ہم ایک مرتبہ پھر، ان کی اس بات کی طرف آتے ہیں کہ سود میں ظلم، غریب سے زائد رقم لینے کے باعث ہوتا ہے جب کہ امیر سے زائد رقم لے کر غریب کو دینے میں ظلم نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اِن كَانَ ذُوعُسرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلىٰ مَيسَرَةٍ (البقرة ۲: ۲۸۰)
تمھارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو

اس آیت پر غور کرنے والا محسوس کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ادائیگی قرض کو، ادائیگی کی سہولت کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ اس لیے جب قرض دار تنگ دست ہو تو اس کو ادائیگی قرض پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ جب وہ خوشحال ہو تو اس کو صرف اصل رقم کی ادائیگی کرنا ہوگی۔ اس لیے اگر معاملہ اس طرح ہوتا، جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں، تو خوشحالی کی حالت میں (جب قرض دار کے پاس رقم موجود ہو اور قرض کا معاملہ دو صاحب مال لوگوں کے درمیان ہو) اصل رقم سے زائد ادا کرنا جائز ہوتا اور یہ اضافی رقم صرف تنگ دستی کی حالت میں معاف کی جاتی (کیونکہ ایسی صورت میں ایک امیر آدمی کا قرض ایک غریب کے ذمہ ہوتا ہے)۔ لیکن شریعت میں تنگ دست کو مہلت دی گئی ہے اور قرض خواہ کے لیے یہ جائز نہیں رکھا گیا کہ وہ قرض دار کو سوائے خوشحالی کے قرض کی ادائیگی پر مجبور کرے۔ ادائیگی کی قدرت رکھنے والے صرف اصل رقم ادا کریں گے اور قرض واپس کرنے کی صلاحیت نہ رکھنے والوں کو، ان کی صلاحیت پیدا ہونے تک، مہلت دی جائے گی۔ اس وجہ سے یہ بات کہنے کا کوئی جواز باقی نہیں بچتا کہ حرمت اس اضافے کے بارے میں آئی ہے جو کہ غریب اور مستحق زکوٰۃ سے وصول کیا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے غریبوں کو ادائیگی میں مہلت دی گئی ہے اور امیر یا خوشحال سے صرف اصل قرض وصول کیا جاتا ہے۔

ربا کو امیر کی طرف سے غریب پر کیے جانے والے ظلم سے مربوط کرنا دراصل مسیحی طرز فکر سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ یہ انجیل میں حرمت ربا کی علت تھی۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی آیات میں قریب یا بعید کہیں سے یہ اشارہ نہیں ملتا کہ یہ صرف امیر اور غریب کے درمیان معاملات میں ہوتا ہے، بلکہ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ بات قبول کر سکیں کہ اگر امیر آدمی، غریب کو سود ادا کرے تو یہ جائز ہوگا، کیونکہ یہ ابتدا سے ہی حکم کی بنیاد نہیں تھی۔

ایسا معاہدہ جس میں فائدے کی ضمانت دی گئی ہو، ایک ایسی چیز کا پیشگی تعین ہے جو ابھی واقع نہیں ہوئی ہے، اور جس کا واقع ہونا ضروری بھی نہیں ہے، یعنی اس مال میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ، جس کی سرمایہ کاری قرض دار کی طرف سے کی گئی ہے۔ یہ درحقیقت ظلم ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ دونوں فریق خطرے میں شرکت کریں، پھر جو حلال منافع حاصل ہو اسے باہم تقسیم کرلیں۔

سود اور مصلحت

بعض لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ فقہی قاعدے "سدالذرائع" کو استعمال کر کے بنکاری کے سود کو جائز قرار دے دیا جائے۔ بقول ان کے سود کی حرمت کے قائل حضرات اسی قاعدے (سدالذرائع) کی بنیاد پر سود کو حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر بنکاری کے سود کو اس وجہ سے حرام قرار دیا جا رہا ہے کہ وہ کہیں اصلی ربا تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بن جائے تو پھر ہمارے لیے جائز ہے کہ اقتصادی مصلحتوں کی بنیاد پر، جو کہ ان کی رائے میں سود کی بنیاد پر لین دین سے حاصل ہوتی ہیں، سود کو جائز قرار دیا جائے۔

قاعدہ "سدالذرائع" فقہی قاعدوں میں سے ایک ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اگر جائز کام حرام چیز تک پہنچنے کا سبب بن رہا ہو تو اسے روک دیا جائے۔ یہ قاعدہ ایک بنیادی اصول کی تائید کرتا ہے جو شریعت نے پیش کیا ہے، یعنی "مصلحت کا حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا"۔ اور یہ مقصد، کسی ایسے کام سے روک کر، جو بظاہر تو جائز ہو لیکن کسی ناجائز کام کا ذریعہ بن رہا ہو، حاصل کیا جاتا ہے۔ اصل اعتبار کسی چیز کی مادی حقیقت پر ہوتا ہے اور وسائل پر مقاصد کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ کسی حرام یا مکروہ تک پہنچانے کے راستے بھی حرام یا مکروہ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔ شریعت میں کسی چیز کی ممانعت کا اطلاق اس تک پہنچانے والی تمام چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرضوں کے سود کی حرمت نص سے ثابت ہے اور اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ جو چیز کسی نص کے ذریعہ حرام قرار دی گئی ہو تو مقصد خود اس چیز کی حرمت ہوا کرتا ہے۔ ایسی تحریم کے بارے میں کسی اجتہاد یا تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ فقہا میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ اس قسم کے سود کو سدالذرائع کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہی تو وہ ربا ہے جس تک پہنچنے والے راستوں اور ذریعوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بند کیا گیا ہے، اور بنک کا سود اسی قسم کے ربا میں سے ہے۔

ربا الفضل (ایک جیسی اشیا کا زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنا) کے بارے میں علما میں سے کچھ کا کہنا یہ ہے کہ وہ بذات خود حرام ہے، جیسا کہ اس کی حرمت حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے۔ بعض دوسرے علما کہتے ہیں کہ اس کو ربا النسیئۃ تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکنے کے سبب سے حرام قرار دیا گیا ہے، اگر ہم دوسری رائے بھی اختیار کریں جس میں کہا گیا ہے کہ ربا الفضل بذات خود حرام نہیں قرار دیا گیا ہے، بلکہ اسے ربا النسیئۃ کا ذریعہ بن سکنے کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے تو پھر ان لوگوں کی بات قبول کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ بنک کا سود ربا الفضل کی قسم میں سے ہے۔ اگر یہ ثابت بھی کر لیا جائے تو پھر ہم پر واجب ہو گا کہ ان حقیقی معاشی ضروریات اور مصلحتوں کو ثابت کریں جن کے لیے سود ناگزیر ہے، اور یہ بات مشکل ہے۔

مصلحت کی تعریف یہ ہے کہ فائدے کی چیزوں کو حاصل کیا جائے اور نقصان دہ چیزوں کو ختم کیا جائے تاکہ شریعت کے مقاصد کو حاصل کیا جا سکے جو یہ ہیں: کہ لوگوں کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے۔ جو بھی چیزیں ان پانچ بنیادی اشیا کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہیں، وہ مصلحت رکھتی ہیں۔ جو بھی چیزیں ان کو نقصان پہنچاتی ہیں وہ مفسد ہیں اور ان کو ختم کرنا مصلحت ہو گا۔ کوئی مصلحت اس وقت قابل اعتبار ہوتی ہے جب شریعت اس کے معتبر ہونے کی شہادت دے یا کم از کم اسے باطل نہ سمجھے۔ مثلاً لڑکے اور لڑکی میں برابری کے ساتھ وراثت تقسیم کرنے میں ممکن ہے ظاہری طور پر مصلحت نظر آئے لیکن شریعت اس کے باطل ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ اسلام اگرچہ مرد اور عورت کے درمیان بحیثیت انسان، ان کے حقوق اور واجبات کے ضمن میں کوئی تفریق نہیں کرتا، لیکن میراث میں ان کے درمیان تفریق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (النساء ۴:۱۱)

(تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے)

یہ آیت اس مصلحت کے بظاہر خوشنما ہونے کے باوجود اس کے باطل ہونے پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلالت کرتی ہے۔

مصلحت کو اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب کسی معاملے میں نص یا اجماع موجود نہ ہو۔ مصالح مرسلہ کو اختیار کرنا قیاس کے طریقوں میں سے ایک ہے کیونکہ اس میں فرع پر اصل کا حکم اس صورت میں لگاتے ہیں، جب کہ دونوں میں علت مشترک ہو یا دوسرے الفاظ میں کسی ایسے واقعہ کو، جس کے بارے میں کوئی شرعی نص موجود نہ ہو، کسی ایسے واقعہ سے جوڑنا جس کے بارے میں نص موجود ہو، ایسی صورت میں جب کہ دونوں کے درمیان علت مشترک ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مصلحت اس بات کی محتاج ہے کہ شریعت نے اس کا اعتبار کیا ہے یا نہیں۔ امام غزالی کا قول ہے کہ "ہم جس مصلحت کا بھی تخیل کریں اس کے بارے میں شریعت میں قبول یا رد کا فیصلہ موجود ہے"۔

رہی بات ایسی مصلحتوں کی جن کو سمجھنے کے لیے نصوص پر اعتماد کرنے کے بجائے عقل کو استعمال کیا گیا ہے، مثلاً کوئی یہ دعویٰ کرے کہ منطق کی رُو سے سود کی بنیاد پر لین دین کرنے میں مصلحت ہے، کیونکہ اس چیز کو روک دینے کی وجہ سے لوگوں کا یہ اور یہ نقصان ہو جائے گا، تو ایسی بات کو قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مصلحتیں عقل نے کسی ایک فرد کے ذاتی تجربات سے متاثر ہو کر یا چند لوگوں کی عادات و اطوار کو دیکھ کر طے کی ہیں، کسی عالم کی دلیلوں سے متاثر ہو کر نہیں۔ مصلحت تو وہی ہو سکتی ہے جس کا شریعت کے کلی اصول نے اعتبار کیا ہو۔ فتحی الدرینی اپنی کتاب المناہج الاصولیۃ فی الاجتہاد بالرائے میں لکھتے ہیں: "جس چیز پر مصلحت کا حکم لگایا جاتا ہے وہ محض عقلی علت یا محض فکری تجزیہ پر قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے جائز ہونے کا اعتبار شریعت کے عام اصولوں سے ثابت ہوتا ہے، تاکہ وہ شریعت کے مقاصد کے برعکس نہ ہونے پائے"۔

"جوا بازی" میں اس مقصد سے حصہ لینا کہ مال جمع کر کے غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے گا، بظاہر عقلی طور پر اس میں مصلحت نظر آتی ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے دولت امیروں کی جیب سے نکل کر غریبوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس طرح کیا بھی کرتے تھے، اور موجودہ دور میں ترقی یافتہ ممالک اسی مقصد سے اس کام کو کرتے ہیں۔ لیکن یہ مصلحت غیر معتبر ہے کیونکہ قرآن میں اس کے حرام ہونے پر نص موجود ہے۔ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے یہ مفسدہ ہے اور اس کا دُور کرنا مصلحت ہے۔ مصالح کے بارے میں علما کے اقوال کا تعلق ان مصلحتوں سے ہوتا ہے جن کے بارے میں شارع کی طرف سے کوئی دلیل، ان کے جائز یا ناجائز ہونے پر موجود نہ ہو۔ ایسی مصلحتوں کے بارے میں ہر دور میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم جس بنکاری کے سود کی بات کر رہے ہیں، کیا وہ ایسی چیزوں سے مشابہ ہے؟ جواب یقیناً نفی ہو گا۔ کیونکہ یہ مفسدہ ہے جس کی شہادت، شریعت کے اصول نے اس کے ناجائز ہونے کا حکم کر کے دی ہے، تو پھر یہ اولین مصلحت کیسے بن گیا۔

اب ہم دوبارہ ربا الفضل کی حرمت کے نکتے کی طرف آتے ہیں، اگر ہم یہ بھی کہیں کہ ربا الفضل کی حرمت وسیلے کی حرمت تھی کیونکہ یہ ایک حرام چیز یعنی اصلی ربا تک پہنچنے کا ذریعہ تھا، تو پھر اسے اب بھی حلال نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ربا الفضل کا بنک کے سود کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کسی معاہدے کو سد الذریعہ کی وجہ سے حرام قرار دیا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اگر وہ اصل تک پہنچ جائے تو اس کا حکم اصل سے مختلف ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر ربا الفضل سبب بن سکتا ہے ربا النسیئۃ کا، تو اول الذکر کے جواز کے قائل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ اس چیز کے جواز کا بھی قائل ہونا پڑے گا جس تک یہ پہنچاتا ہے، یعنی ربا النسیئۃ۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ ربا الفضل قرض کے ربا کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ کرنسیوں کی باہم خرید و فروخت جائز ہے، کیونکہ یہ مختلف جنس ہیں۔ مثلاً ریال کو ڈالر کے بدلے یا ڈالر کو روپے کے بدلے فروخت کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً میرے لیے جائز ہو گا کہ ۱۰۰ ڈالر کو ۳۷۵ ریال کے بدلے فروخت کر دوں۔ اور یہ بھی جائز ہو گا کہ انھیں ۴۰۰ ریال یا اس سے کم و بیش میں فوری قبضے کی شرط کے ساتھ فروخت کر دوں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ربا الفضل جائز ہے کیونکہ وہ محض سد الذریعہ کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا تھا، تو میرے لیے جائز ہو گا کہ ۱۰۰ ڈالر، ۳۷۵ ریال کے بدلے نقد فروخت کر دوں یا ۴۰۰ ریال کے بدلے ادھار فروخت کروں۔ اس وقت میں اس رقم سے ۱۰۷ ڈالر خرید سکتا ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ میں نے سات فی صد سود پر قرض دیا جو کہ وہی ربا ہے جس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سد الذریعہ کی وجہ سے کسی چیز کی حرمت ایک ایسی باڑھ قائم کرتی ہے، جو کہ اصل حرام اشیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حرمت کو برقرار رکھتی ہے اور ان کو جائز قرار دینا اصل حرام چیزوں تک پہنچنے کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے یہ لازم ہوتا ہے کہ اسے بھی حرمت کے حکم میں شامل کر لیا جائے۔ اُوپر کی مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کس طرح ربا الفضل، ربا النسیئۃ کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ اس پر بھی ربا النسیئۃ کا حکم لاگو کیا جائے۔

ربا اور ضرورت کا حکم

ضرورت کا قاعدہ، ایک اصولی اور واضح قاعدہ ہے جس کے بارے میں قرآن و سنت کی نص موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَد فَصَّلَ لَكُم مَا حَرَّمَ عَلَيكُم اِلاَّ مَااضطُرِرتُم اِلَيهِ (الانعام ۱۱۹:۶)

حالانکہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطرار کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کر دیا ہے، ان کی تفصیل وہ تمھیں بتا چکا ہے۔

ضرورت کے حکم کو ہمیشہ اولیت دی جاتی ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے دیگر اوامر یا نواہی کی طرح ہے۔

جو بات بعض لوگوں کی تحریروں میں یا بنکوں کی سرگرمیوں سے متعلق بات کرتے ہوئے بار بار پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ سود کی بنیاد پر لین دین اب ایسی لازمی "ضرورت" بن چکا ہے کہ اس کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس پر ضرورت کا حکم لگائیں اور سود کی بنیاد پر لین دین کو جائز قرار دیں، تاکہ مسلمانوں پر سے دشواری کو ختم کیا جا سکے۔ درحقیقت یہ کلام اس بات کا اظہار ہے کہ ان لوگوں نے ضرورت کے معنی اور ان حالات کو جن میں حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، صحیح طور پر سمجھا نہیں ہے۔

ایسی ضرورت جو حرام کو حلال کر دے وہ ہوتی ہے جس کا تعلق معاشرے کی بنیادی ضروریات میں سے ہوتا ہے، اور اس کے نہ ہونے سے پورا معاشرہ تباہی سے دوچار ہو سکتا ہے، یا ایک فرد کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، یا اس کے جسم کا کوئی حصہ ضائع ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسی ضروریات جو منافع کی شرح کو مزید بڑھانے کے لیے یا دولت میں مزید اضافے کے لیے لازمی ہوں، وہ شرعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتیں اور ان کی بنیاد پر حرام کو حلال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امام شاطبی اپنی کتاب "الموافقات" میں لکھتے ہیں: "ضرورت وہ ہوتی ہے جس کے بغیر دین اور دنیا کے مصالح کا قیام ناممکن ہو۔ اور اگر یہ مفقود ہو جائے تو دنیا کے مصالح درستگی کی طرف نہیں بلکہ فساد، قتل و غارت گری اور زندگی کے خاتمے کی طرف رواں ہو جائیں اور آخرت میں نجات کے نہ ملنے اور واضح خسارے سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہو"۔

ضرورت کے شرعی طور پر معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد کے وجود کے لیے خطرہ بنے جن کی حفاظت کے لیے شریعت آئی ہے۔ یعنی دین، جان، نسل، مال اور عقل، اور یہ خطرہ بھی قطعی اور یقینی ہونا چاہیے۔

پس اگر کوئی شخص پیاس کے سبب ہلاکت کے قریب ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ حرام چیزوں میں سے، جو بھی اسے ملے مثلاً شراب، وہ اسے پی لے۔ کیونکہ وہ ایسی ضرورت کی حالت پر پہنچ چکا تھا کہ اس کی جان کو خطرہ درپیش ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ اتنی مقدار سے زیادہ نہ پیے جو زندگی بچانے کے لیے ضروری ہو، اور اگر وہ کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں پر کھانے پینے میں حرام اشیا کے علاوہ کچھ اور دستیاب نہ ہو اور اس کے سامنے دوسری جگہ منتقل ہونے کے راستے بھی بند ہوں، تو بھی اس کے لیے حرام کھانے پینے کی صرف اتنی مقدار استعمال کرنا جائز ہے جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہو۔ اس وجہ سے ہمیں یہ بات قبول کرنا مشکل نظر آتی ہے کہ "سود کی بنیاد پر لین دین ایسی ضرورت ہے، جو حرام کو حلال کر دے" کیونکہ اس بنیاد پر لین دین نہ کرنے سے شریعت کے متذکرہ بالا پانچ مقاصد میں سے کسی ایک کو بھی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ فرد اور معاشرے دونوں کے لیے ممکن ہے کہ وہ سود کے بغیر بھی خوشحالی کی زندگی گزار سکے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ سودی لین دین کے منع کرنے سے مسلمانوں کے اموال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اور مال کی حفاظت شریعت کے مقاصد میں سے ایک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سود کی بنیاد پر لین دین نہ کرنے سے جو مال ضائع ہوتا ہے، وہ اصل مال نہیں ہوتا بلکہ اس میں شامل ہونے والا حرام مال ہوتا ہے۔ اور سود پر لین دین نہ کرنے سے صاحب مال، اصل مال سے نہیں بلکہ اصل مال پر زیادہ حاصل ہونے والے حصہ سے، جو کہ درحقیقت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ربا ہے، محروم ہو گا۔ جب شریعت میں ربا کی حرمت کے واضح احکامات موجود ہیں تو اس کے مقاصد میں ربا کی حفاظت کیسے شامل ہو سکتی ہے؟

ضرورت اپنی طبع کے لحاظ سے ایک وقتی کیفیت ہوتی ہے اور فطرت سے اس کا شاذو نادر ہی تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے قاعدے کی اجازت دے کر مسلمانوں سے تنگی کو دور فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج ۲۲:۷۸)

اس نے تمھیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

لیکن ضرورت کا قاعدہ فتویٰ دینے کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ جو بھی چیز نص کے ذریعہ حرام قرار دی گئی ہے، قیامت تک حرام رہے گی۔ اگر مسلمانوں پر انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی تنگی یا مصیبت آئے تو اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ بتا رہا ہے کہ ان کے لیے جائز ہے کہ، وہ بعض شرعی ذمہ داریوں پر عمل اس وقت تک روک دیں جب تک یہ تنگی یا مصیبت دور نہ ہو جائے۔

لیکن کسی عالم کے لیے، چاہے وہ علم کے کیسے درجے پر ہی فائز کیوں نہ ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ اس وجہ سے کسی حرام کے حلال ہونے کا فتویٰ دے کہ ضرورت اس کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ حرام چیز لوگوں کے لیے دین میں جائز بن جائے گی جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی تھی۔

ربا کی حرمت کتاب و سنت سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ بنک کا سود بھی ربا ہے۔ ربا کی تحریم ایک دائمی مصلحت کی وجہ سے ہے جو کہ حالات و واقعات کے تبدیل ہونے سے تبدیل نہیں ہوتی۔ اس حقیقی و دائمی مصلحت اور زندگی کی ضروریات کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں پایا جاتا، اگر زندگی فطری انداز سے گزاری جا رہی ہو۔

اگر ہم ایسے حالات کا تصور کرنے کی کوشش کریں جن میں فقہی قاعدے "الضرورات تبیح المحضورات" ضروریات حرام چیزوں کو حلال کر دیتی ہیں، کا تعلق سود کے ساتھ بنتا ہو تو ہم مندرجہ ذیل صورتوں میں یہ احتمال پائیں گے:

الف۔ جب کوئی فرد خود کو ایسی کیفیت میں پائے کہ بھوک مٹانے کے لیے سوائے سودی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرض کے کوئی حلال ذریعہ موجود نہ ہو، تو اس کے لیے جائز ہوگا کہ اتنا مال سود پر حاصل کر لے جو اس کی زندگی برقرار رکھنے کی مقدار کے برابر کھانا حاصل کرنے کے لیے ضروری ہو۔ لیکن ہم کوئی ایسی صورت نہیں سوچ سکتے جس میں سود لینا زندگی کی ایسی اشد ضرورت بن جائے۔ اسی طرح یہ بھی تصوّر کرنا محال ہے کہ پورا معاشرہ قرض لینے کی ایسی اشد ضرورت میں مبتلا ہو۔

ب۔ ممکن ہے کہ ایک مسلم معاشرے کو ضرورت کے قاعدے کے تحت، نظام کی تبدیلی کے عرصے میں محدود پیمانے پر سود کی بنیاد پر معاملات چلانے کی اجازت دے دی جائے۔ پس اگر کوئی معاشرہ خالص نیت کے ساتھ یہ پختہ ارادہ کرے کہ اپنی معیشت کو سود کی لعنت سے پاک کرے گا، اور ایسے اقدامات کرے گا جس کے نتیجے میں چند مہینوں یا سالوں میں سودی ادارے ایسے اداروں میں تبدیل ہو جائیں جو اسلامی اصولوں پر کام کرتے ہوں۔ اس ضمن میں مسلمان ماہرینِ اقتصادیات کی رائے یہ ہے کہ فوری تبدیلی، ملکی معیشت کو کسی بڑے نقصان سے دوچار کر دے گی، پھر یہ امکان سربراہ مملکت کے علم میں لایا جائے تو شاید اس کے لیے اس ضرورت کے قاعدے کو بعض ضروری معاملات میں (کچھ محدود اور متعین مدت تک) استعمال کرنا جائز ہوگا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تمام لوگوں کو سود کی حرمت پر پختہ یقین ہو اور وہ لوگوں کی زندگی سے سود کا جلد از جلد خاتمہ چاہتے ہوں۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ معاشرہ تبدیلی کے مرحلے کو اس قدم (یعنی عارضی طور پر بعض معاملات میں سود کے استعمال کی اجازت) کے بغیر طے کر سکتا ہے، تو پھر ضرورت کے قاعدے کے استعمال کا حکم باقی نہیں رہے گا۔

اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ضرورت ایک متعین چیز ہے اور ایک دقیق قاعدہ ہے۔ اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ لوگ جن محرمات (حرام چیزوں) کے عادی ہو چکے ہوں، ان کو حلال کرنے کے لیے ضرورت کے قاعدے کو استعمال کیا جائے۔ ضرورت کو فتویٰ دینے کے لیے (یعنی ایک عمومی حکم لگانے کے لیے) استعمال نہیں کیا جا سکتا اور اس کی بنا پر کوئی چیز جو نص سے حرام قرار دی گئی ہو حلال نہیں کی جا سکتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پس منظر میں بنک کا سود نہ تو فرد کے لیے اور نہ معاشرے کے لیے ضرورت کا درجہ رکھتا ہے۔ موجودہ دور کے تجربات سے نظری اور عملی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معاشرہ سود کو استعمال کیے بغیر، یا اس کی حاجت کیے بغیر بھی خوشحالی کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ یہ بات کیسے درست نہیں ہو گی جب کہ اسلامی معاشرے کئی صدیوں تک اس کے بغیر امن و سلامتی اور خوشحالی کی زندگی گزارتے رہے ہیں۔

سود اور عہد جاہلیت کا ربا

ہم اکثر اوقات بعض لوگوں کا یہ قول پڑھتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے، ربا کو حلال نہیں سمجھتا۔ اور آج کل جو بھی بحثیں ہو رہی ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ ربا کی حرمت کے حکم کی اصل وجہ کا تعین کیا جائے۔ ان لوگوں کے خیال میں حرمت کا قطعی حکم، جس ربا کے بارے میں نازل ہوا اور جو نزولِ قرآن کے زمانے میں معروف تھا، وہ جاہلیت کا ربا کہلاتا ہے۔ اپنے اس قول کے ثبوت میں وہ حضرت عمر فاروقؓ کا قول پیش کرتے ہیں کہ "میری خواہش ہے کہ نبی ﷺ دنیا سے اس وقت تک رخصت نہ ہوتے جب تک کہ ربا کے بارے میں تفصیلاً بتا نہ دیتے"۔ اس قول سے یہ لوگ دلیل نکالتے ہیں کہ حرام ربا واضح نہیں تھا حتیٰ کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک بھی یہ غیر معروف تھا۔ اس لیے ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ربا کی حرمت کے بارے میں بحث کریں اور بہتر یہ ہے کہ ہم اسے انھی سودی معاملات تک محدود رکھیں جو عہد جاہلیت میں رائج تھے۔

ہم ابھی تفصیلاً یہ بیان کر چکے ہیں کہ بنک کا سود بھی جاہلیت کے ربا کی طرح ہے، جو قطعی طور پر حرام ہے۔ ہم یہاں ان کی ایک خطرناک بات کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے لیے کافی ہے کہ وہ صرف ان معاملات سے رک جائیں جو کہ ابتدائی زمانے میں قطعی طور پر حرام قرار دے دیے گئے تھے، اور باقی چیزوں کے بارے میں شریعت کے حکم کو معطل رکھیں۔

اسلام ایک دین اور نظام ہے جو کہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں حیات انسانی کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفید ہے۔ اس کا دستور حیات، قرآن مجید ہے جس کے آگے یا پیچھے باطل نہیں آسکتا۔ اور یہ بات، کہ شریعت میں چیزوں کی حرمت صرف ان صورتوں تک محدود رہتی ہے جو کہ عہد جاہلیت میں رائج تھیں، انسانی زندگی کے بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ گمراہ کن دلیل دینِ اسلام کو ایک ایسے وقتی نظام کے طور پر ظاہر کرتی ہے، جو محض ایک متعین زمانے میں ایک انسانی گروہ کی اصلاح کے لیے آیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زندگی کے طریقے بدل جائیں اور حالات بھی تبدیل ہو جائیں، لیکن احکامات ان صورتوں ہی کے لیے رہیں جو پہلے تھے اور ان پر لاگو نہ ہوں جو اب ہیں، تو اس صورتِ حال میں انسان کے بنائے ہوئے نظام اور انسانوں کے رب کے نازل کردہ نظام میں کیا فرق رہ جائے گا؟ کیا جس ہستی نے کائنات اور حیات کو تخلیق کیا، وہ نعوذ باللہ باخبر نہیں ہو گا کہ اس کائنات میں کیا ہے اور کیا ہو گا؟۔ اس پس منظر میں ہم یہ بات کیسے مان سکتے ہیں کہ شریعت ان باتوں کے علاوہ، جو نزولِ قرآن کے وقت لوگوں کے درمیان رائج تھیں، دیگر باتوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔

اور یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ یہ لوگ آخر اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات میں سے صرف ربا ہی کو ان صورتوں تک محدود کیوں کرنا چاہتے ہیں جو کہ زمانۂ جاہلیت میں رائج تھیں؟

- کیا وہ یہ مان لیں گے کہ قطعی طور پر حرام زنا صرف زمانۂ جاہلیت کا زنا ہے؟ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں تو گویا ہم نے معاشرے میں زنا اور دیگر برائیوں کا راستہ بھی کھول دیا۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں تو ایک عورت سے دس دس آدمی ناجائز تعلقات رکھتے تھے۔ اگر صرف اسی صورت پر حرمت کا حکم لگایا جائے تو ہمارے معاشرے میں ہر ناجائز چیز جائز بن جائے گی۔
- اگر ہم یہ کہیں کہ قطعی طور پر حرام شراب صرف دورِ جاہلیت کی شراب تھی تو لوگوں کے لیے نشہ آور چیزوں کے استعمال کا ایک وسیع راستہ کھل جائے گا۔ کیونکہ بقول ان لوگوں کے، یہ چیزیں قطعی حرام کے حکم میں نہیں آتیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ انگور اور کھجور کو نچوڑ کر شراب تیار کیا کرتے تھے اور وہ انناس سے تیار کردہ شراب کے بارے میں بالکل لاعلم تھے۔ یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ وہ افیون اور دیگر نشہ آور اشیا استعمال کرتے تھے۔ تو اس ضمن میں آپ کی کیا رائے ہے کہ کیا شراب کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرمت کا حکم صرف ان چیزوں تک رہنے دیں جو کہ عہد جاہلیت میں لوگ استعمال کرتے تھے۔

اسی طرح عہد جاہلیت میں لوگ بجلی کے بارے میں ناواقف تھے، تو آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی پر بجلی کے ننگے تار ڈال دے اور وہ مر جائے، تو کیا مارنے والے سے قصاص لیا جائے گا یا قتل عمد کی تحریم کا حکم صرف تلوار، نیزے یا زمانۂ جاہلیت کے کسی اور اوزار سے قتل کرنے تک محدود رہے گا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ قطعی حرام (یعنی جس کی حرمت میں کوئی شک نہ ہو) صرف وہ چیز ہے جو کہ زمانۂ جاہلیت کے طور طریقوں کے مطابق ہو تو معاشرے تباہ ہو جائیں گے اور انسانی زندگی کی مفید چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ اگر ہم احکامات کو اس طرح محدود کر دیں تو پھر دین میں باقی کیا رہ جائے گا؟

ہم یہ مثالیں شریعت کے دفاع میں پیش کر رہے تھے ورنہ یہ قول (یعنی صرف عہد جاہلیت کی چیزوں تک حرمت کو محدود رکھنا) بھی ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتا، جو بینک کے سود کو حلال قرار دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ موجودہ دور کا سود بالکل زمانہ جاہلیت کے ربا کی طرح ہے۔ اس لیے حرمت کا حکم اس پر بھی لاگو ہو گا۔

یہ بات درست نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ربا کے معنی کا علم نہیں تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے متذکرہ بالا قول، جو ابھی نقل کیا گیا تھا، کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ یہ سمجھتے تھے کہ ربا کی بہت ساری صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے کچھ معروف ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بعد میں حالات کے تبدیل ہونے سے ظاہر ہوں گی۔ جیسا کہ آج ہم جدید معاملات میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ربا کی جس قسم کو رسول اللہ ﷺ نے تفصیلاً بیان نہیں فرمایا تھا، وہ قرضوں کا ربا نہیں تھا، کیونکہ اسے تو آپ پہلے ہی بیان فرما چکے تھے اور اس کے متعلق قرآن کی نص بھی موجود تھی۔ اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ لوگ حضرت عمر فاروقؓ کی صرف اسی عبارت کو بار بار کیوں دہراتے ہیں اور دیگر عبارتوں اور اقوال کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے جو ان کی خواہشات کے برعکس دلالت کرتی ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں: "عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم سود

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تمام اقسام کو جانتے ہو؟ میرے نزدیک ان تمام اقسام کا جاننا اس سے بہتر ہے کہ مصر اور اس کے قرب و جوار جتنا علاقہ میرے قبضے میں ہوتا۔ ان میں کچھ صورتیں ہیں جو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس میں سے ایک مادہ کے پیٹ میں بچے کی سلم ہے اور دوسرے پھلوں کی تیار ہونے سے قبل فروخت ہے"۔ (کنز العمال ۲۳۱/۲)۔ تو اگر حضرت عمر فاروقؓ مادہ کے پیٹ میں موجود بچے کی سلم اور پھلوں کی پکنے سے قبل فروخت کے معاملے کو بیان کر رہے ہیں کہ یہ معاملات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں تو کیا وہ قرضوں کے ربا کے بارے میں لاعلم ہوں گے؟

ابن سیرین نے روایت کیا ہے: "عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو ۱۰ ہزار درہم ادھار دیے۔ پھر ابی بن کعبؓ نے اپنی زمین کی پیداوار بطور تحفہ عمرؓ کو بھیجی تو انھوں نے یہ قبول نہیں کی"۔ اس کی وجہ ربا کے پائے جانے کا شبہہ تھا۔ لہذا قرضوں کا ربا ان اقسام میں سے نہیں تھا، جن کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ پسند کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ ان کی وضاحت فرمائیں۔ کیونکہ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آپؐ نے اس کو سمجھنے کا حق ادا کر دیا اور حضرت عمرؓ کا درج بالا قول ان کی وسعت نظر کا ثبوت ہے کہ جس میں انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ ربا کی بہت سی اقسام ہیں، جنھیں ہم آج متعدد سودی معاملات کی صورت میں دیکھ رہے ہیں اور جو کہ نقدی کے عالمی بازاروں میں روزانہ درپیش آتے رہتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

ربا اور سود مسیحی تاریخ میں

ربا انسانی فطرت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ظلم اور فساد کا عنصر پایا جاتا ہے۔ یہ معاشرے میں ایک ایسا طفیلی طبقہ پیدا کرتا ہے جو محنت کاروں اور صنعت کاروں کی محنت اور پسینے کی کمائی پر زندہ رہتا ہے۔ تمام آسمانی مذاہب ربا کی حرمت پر متفق ہیں۔ چنانچہ یہودی مذہب میں یہودیوں پر اور پھر عیسائی مذہب میں عیسائیوں پر ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور ہمیں قسیسین اور راہبوں کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ربا قطعی طور پر حرام تھا۔ یہ حرمت صرف نقدی کی حد تک نہیں تھی۔ بلکہ ہر وہ چیز جو ادھار دی جا سکتی تھی، اس میں ربا حرام تھا۔ گرجاؤں کے والی ربا کے کھانے اور چوری کرنے کو مساوی تصور کرتے تھے اور انھیں قتل جیسے جرم کے درجے میں شمار کرتے تھے۔ وہ ربا کے کسی بھی صورت میں جائز ہونے کا رد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس شخص کے لیے بھی جو ربا وصول کرے اور پھر اسے محتاجوں کو صدقہ کر دے۔ اہل کلیسا ہر اس شخص سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے تھے جو ربا کا لین دین کرتا تھا اور اسے فاسق اور مرتد شمار کرتے تھے۔

نویں صدی میں کلیسا کو حکومتوں کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ عوام الناس میں سے ربا کا کاروبار کرنے والوں کو سزا کے طور پر قید کر سکے، یا اگر ضروری ہو تو جرمانہ کرے اور ربا کے طور پر لیا ہوا مال مقروض کو یا اس کے ورثا کو یا کلیسا کو یا پھر شہر کے غربا کو لوٹا دیا جائے۔ ربا کا لین دین کرنے والوں یا ان سے اچھے تعلقات رکھنے والوں کی کلیسا میں آخری رسومات ادا کرنے تک کی اجازت نہیں تھی۔ دانتے (ایک مصنف) نے ربا کا لین دین کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم کے آخری درجہ میں بیان کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ۱۲ ویں صدی میں یورپ میں واقع ہونے والی معاشی اور معاشرتی تبدیلیوں، اور یہود، جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے بھی پہلے سے ربوی لین دین کیا کرتے تھے، کے بڑھتے ہوئے نفوذ نے ربا کی لعنت کو اس درجے تک پھیلا دیا کہ کلیسا کو اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رہی۔ اس کے بعد تو حکومتیں بھی اپنے جنگی اور دیگر سرکاری اخراجات پورے کرنے کے لیے ربوی قرضوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئیں۔

عیسائیوں میں حرمت ربا کی حکم عدولی اس وقت شروع ہوئی، جب وہ ایسے حیلوں کو اختیار کرنے لگے جو ربا کی طرف لے جانے والے تھے، مثلاً بیع العینہ، بیع الوفا اور اس طرح کے دیگر حیلے۔ کلیسا نے ربا کی تحریم میں جس علت پر انحصار کیا تھا، وہ منصفانہ قیمت کے بنیادی اصول پر مبنی تھی۔ چنانچہ کلیسا نے استعمال سے ختم نہ ہونے والی اشیا مثلاً گھر یا جانور، اور استعمال سے ختم ہو جانے والی اشیا مثلاً روٹی یا گندم کی بوری کے قرض کے درمیان فرق کیا۔ ان کی رائے میں دوسری طرح کی اشیا (یعنی تلف ہو جانے والی اشیا) کو بطورِ قرض دینے کا مطلب، اس چیز کی ملکیت کا مقروض کی طرف منتقل ہو جانا ہے، چنانچہ وہ اسے بیع کا معاہدہ تصور کرتے تھے، قرض کا نہیں۔ پھر وہ اس پر اپنے نظریہ کے مطابق منصفانہ قیمت کا اصول لاگو کرتے تھے جس کے مطابق ان کی رائے یہ تھی کہ "جو چیز لی گئی تھی اس سے زائد لوٹانا جائز نہیں ہے، اور اسی طرح نقدی کی صورت میں بھی صرف اصل رقم واپس کی جائے گی کیونکہ نقدی بھی ان اشیا میں سے ہے جو استعمال سے ختم ہو جاتی ہیں، اور ان کا قرض دینا بھی بیع کے معاہدے میں سے ہے"۔ رہی مدت کی بات تو اس بارے میں ان کا خیال یہ تھا کہ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام لوگوں کے لیے عطیہ ہے، اس لیے اس کی کوئی قیمت وصول کرنا جائز نہیں ہے"۔

اگرچہ ربا کی حرمت اپنی اصل کے لحاظ سے عیسائی مذہب میں درست ہے، کیونکہ یہ اس دینِ حق کا حصہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ لیکن حرمت ربا کی یہ علت بیان کرنا نہ تو منطقی تھا اور نہ عملی لحاظ سے درست۔ پھر بعد کے عرصے میں اہل کلیسا کے اجتہادات نے یہودیوں کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں اور مختلف ذریعوں سے ربا کے بارے میں حیلوں کے راستے کو ہموار کر دیا، جیسا کہ کچھ کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اور ان جیسے دیگر طریقے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی۔ ان حیلہ بازوں کے درمیان یہ دعویٰ عام ہو گیا کہ قرض دینے والا اپنے منافع کمانے کے موقع کو ضائع کر دیتا ہے۔ پھر یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ قرض دینے والے کو اس امکانی منافع کے برابر بدلہ دیا جانا چاہیے اور کلیسا نے اسے اصل رقم سے زائد وصول کرنے کے ایک عذر کے طور پر قبول کر لیا۔ پھر اسی طرح نئی نئی شقیں لائی جاتی رہیں۔ یہاں تک کہ حرمت ربا کی باقی ماندہ آڑ بھی ختم ہو گئی۔ پھر خود کلیسا کی یہ حالت ہو گئی کہ کبھی، ضرورت کی دلیل کے ساتھ اور کبھی "اقتصادی مصلحت" کے نام پر ربوی قرضے لینے شروع کر دیے۔

اہل کلیسا کا بنکاروں اور نقدی کا کاروبار کرنے والوں کے ساتھ اختلاف تو تقریباً ۱۸ ویں صدی تک جاری رہا۔ لیکن ۱۶ ویں صدی میں مارٹن لوتھر اور کالفن جیسے دینی مصلحین کا ظہور اور پروٹسٹنٹ مذہب کی پیدائش، اس ضمن میں تبدیلی کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ کالفن جو کہ پروٹسٹنٹ مذہب کے بانیوں میں سے ایک ہے، بنکوں کے سود کو حلال قرار دینے کے لیے شدید دباؤ کا شکار ہوا۔ وہ کئی برسوں تک اس بارے میں تردّد کا شکار رہا۔ پھر اس نے فتویٰ جاری کیا، جس میں واضح کیا گیا کہ ربا حرام ہے اور وہ اس کے جائز ہونے کا قائل نہیں ہے۔ لیکن وہ ضرورت کے وقت، متعین حالات میں، طے شدہ شرائط کے مطابق سود لینے کو جائز سمجھتا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ یہ محتاج سے نہ لیا جائے اور یہ کہ اگر قرض کو پیداواری مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا ہو تو سرمایہ کار کو جو آمدن ملے، وہ قرض دینے والے کو ملنے والے سود سے زائد ہونی چاہیے۔ پھر کالفن نے اپنے فتوے میں کلیسا کے موقف پر تنقید کی اور کہا کہ نقدی بھی مکان یا کھیت کی طرح ہوتی ہے، جس طرح مکان سے نفع اٹھانا ممکن ہے، اسی طرح نقدی سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور نقدی کو اگر کام میں نہ لایا جائے تو بذات خود یہ غیر پیداواری ہے۔ کالفن نے اپنی آرا میں صرفی مقاصد اور پیداواری مقاصد کے لیے جانے والے قرضوں میں فرق کیا۔ اس کے خیال میں صرف دوسری قسم کے قرضے سودی بنیاد پر دیے جا سکتے ہیں۔ اور ربا کی حرمت کا حکم اس نے صرف پہلی قسم کے قرضوں تک محدود رکھا، کیونکہ اس قسم کے قرضوں کی نوعیت اس کے خیال کے مطابق غریبوں کے ساتھ بھلائی یا احسان کرنے کی ہے۔

قانونی طور پر کلیسا آج تک ربا کو حرام قرار دیتا ہے اور مغربی اقوام کے قوانین آج

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی واضح نصوص کے ساتھ ربا کی ممانعت کرتے ہیں۔ کلیسا نے اپنے اس موقف کا اعادہ بارہا اپنے تحریری بیانات میں کیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کلیسا سود کو حرام قرار دیتا ہے یا اس کی بنیاد پر لین دین نہیں کرتا، جیسا کہ اس کے موجودہ قوانین اس کی اجازت نہیں دیتے۔ درحقیقت کلیسا سود کو ربا سے مختلف چیز سمجھتا ہے اور مغربی قوانین بھی انھیں مختلف سمجھتے ہیں۔ وہ ربا کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ ربا وہ سود ہے جو قانوناً جائز مقدار سے زائد لیا جائے۔

ہم نے یہاں یہ تھوڑا سا تاریخی تذکرہ اس لیے پیش کیا کہ ہم آج کے دور میں دیے جانے والے دلائل اور اس دور کے دلائل، جب کہ سود عیسائیوں کے ہاں بھی حرام تھا، کے درمیان پائی جانے والی زبردست مشابہت کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر سکیں۔ اس طرح ان مقاصد کی یکسانیت کو دیکھ سکیں جن کے حصول کے لیے یورپی سودی اداروں نے کوششیں کیں، اور جو مقاصد آج کی سود کو حلال قرار دینے کے لیے کوششیں کرنے والوں کے پیش نظر ہیں۔ سب سے آخر میں جس بات کی طرف متنبہ کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آج کوئی بھی فرد یہ نہیں کہتا کہ ربا حلال ہے بلکہ ہر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ سود ربا سے مختلف چیز ہے اور یہ وہی موقف ہے جس پر کلیسا آج بھی قائم ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس موقف کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہے کہ ربا کو عملاً جائز قرار دے دیا جائے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کلیسا اور ربا کے درمیان کش مکش کی تاریخ اور جو معاملات آج ہمیں درپیش ہیں، ان کے درمیان فرق کی وجوہ غیر اہم یا غیر واضح ہیں۔ شاید ان میں سب سے اہم اختلاف یہ ہے کہ مغربی اقوام صدیوں تک اس حالت میں رہیں کہ یہودی ان کے معاشرے میں اہم اور مؤثر اقلیت کے طور پر رہے۔ یہودی اس دعویٰ کے ساتھ ربوی لین دین کرتے تھے کہ ان کے مذہب میں غیر یہودیوں کے ساتھ سودی لین دین کی اجازت ہے۔ اس چیز نے انھیں معاشرے کی دولت کو چوسنے اور خطرناک حد تک دولت کے ڈھیر جمع کرنے کا موقع دیا۔ جس نے پھر ان کو ۱۶ویں صدی اور اس کے بعد بنکوں کے قیام میں اور نقدی کے کاروبار میں اہم کردار ادا کرنے میں مدد دی۔ ان ملکوں کے قوانین، باوجود اس کے کہ ربا کو حرام سمجھتے تھے، یہود کو ان قوانین کے نفاذ سے بری الذمہ رکھتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں سود کا حرام ہونا صرف مسیحی مذہب کے پیروکاروں کے لیے تھا اور اس کا اطلاق دیگر مذاہب والوں پر کرنا جائز نہیں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہود کی وہ سودی سرگرمیاں قانونی سرپرستی میں انجام پا رہی تھیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس صورتِ حال سے محفوظ رکھا ہے۔

اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کلیسا کے ربا سے متعلق افکار الجھن میں ڈالنے والے تھے۔ اس لیے وہ ربا کو حرام ثابت کرنے کے لیے کوئی واضح نظریہ اور علت پیش کرنے میں ناکام رہے، کیونکہ درحقیقت وہ ربا کی حرمت کے بارے میں شارع کے اصل مقصد کو سمجھنے میں ناکام رہے تھے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کلیسا ربا کے راستوں کو بند کرنے کے لیے اس بات پر مجبور ہوا کہ تجارت کے منافع، زمین کے کرایہ اور بعض قسم کی شراکتوں کو حرام قرار دے۔

اس کے مقابلے میں دینِ اسلام، جو کہ آسمانی مذاہب میں آخری پیغام ہے، اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ ربا کی بنیاد کو واضح اور نمایاں طور پر سمجھا دیا گیا ہے۔ اسلام اس کی قدرت رکھتا ہے کہ ایک مکمل اقتصادی نظام کی بنیاد بن سکے اور ہر طرح کی صورتِ حال کا مقابلہ کر سکے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ بنکاری سے متعلق اسلامی اصول ایسے ہیں جو کہ قابلِ نفاذ ہیں اور ہر نظری یا عملی امتحان میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان اصولوں کے بارے میں دنیا کے کونے کونے سے مختلف ماہرین اقتصادیات نے بہت کچھ لکھا ہے اور ہماری معلومات کی حد تک کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ یہ اصول قابلِ نفاذ نہیں ہیں یا یہ اصول کوئی ایسا مختلف نظام پیش نہیں کرتے۔

قانونی سرپرستی و حکومتی تعاون اور بنکاری نظام

الحمد للہ سودی نظام بنکاری کا اسلامی نعم البدل موجود ہے۔ اور جیسا کہ اس سے پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ اسلامی نظام سودی مالیاتی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے مشارکت کے طریقے کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں نفع حاصل کرنے کا سبب، خطرہ مول لینا اور پیداواری کوششوں میں اشتراک ہوتا ہے۔ بہت سارے تحقیق کاروں نے بنکاری نظام کی اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبدیلی کی مختلف وجوہ اور پہلوؤں کے بارے میں کثیر تعداد میں کتب لکھی ہیں۔ یہ متبادل نظام صرف کتابوں میں موجود نظریات کی حد تک نہیں ہے بلکہ یہ ایسے اداروں کی شکل میں موجود ہے جو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی سرگرمیاں کامیابی سے جاری رکھے ہوئے ہیں اور مکمل طور پر اپنے اہداف حاصل کر رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ ادارے اپنے درجہ کمال کو پہنچ چکے ہیں، لیکن ان شاء اللہ وہ بہتر سے بہترین کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے اہم بات ان اداروں کی موجودہ صورت نہیں ہے، بلکہ ان کی فکری اساس اور بنیادی سوچ ہے۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ نفاذ کے قابل ہے اور حرام کردہ سودی معاملات کا بدل بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔

بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیں جلدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ پہلے یہ یقین کر لینا چاہیے کہ متبادل اسلامی نظام، موجودہ بنکاری نظام کی جگہ لینے کا پوری طرح اہل ہے بھی یا نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ جب تک یہ پوری طرح ثابت نہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ جلدی کرنے سے افراد یا معاشرے کو اس سے نقصان پہنچے۔ سودی بنکاری نظام، اگرچہ حرام پر قائم ہے، موجودہ دور کے لحاظ سے کامیاب نظام ہے اور لوگوں کی زندگی میں ایک فعال کردار ادا کر رہا ہے۔ اس نظام کی ضرورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ متبادل نظام وہ تمام اعمال سرانجام دے سکے گا جو موجودہ نظام ادا کر رہا ہے۔

یہاں ہم چاہتے ہیں کہ اس موضوع کو کچھ دیر کے لیے چھوڑتے ہوئے اس بات پر غور کریں کہ بنکاری کا سودی نظام کس وجہ سے باصلاحیت، کامیاب اور فعال ہے۔ اور اسلامی نظام اس طرح کامیاب کیوں ثابت نہ ہو سکا ہے؟

کسی قسم کا بھی بنکاری نظام ہو، وہ ان قوانین کی پیداوار ہوتا ہے جو اس ملک میں نقدی اور بنکاری سے متعلق سرگرمیوں کی تنظیم کرتے ہیں۔ یہ بات ماضی اور حال میں واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ رہا پر قائم بنکاری نظام، ملک کے متعلقہ اداروں کی سرپرستی، قانونی ضمانت اور تعاون کے بغیر نہ تو اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی فعال کردار ادا کر سکتا ہے۔ ساری دنیا میں حکومتیں ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف قوانین بناتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور بنکوں کے داخلی اور خارجی امور میں براہ راست مداخلت کرتی ہیں۔ ان جانے پہچانے معاملات میں سے ایک یہ ہے کہ مرکزی بنک، جو کہ حکومت کا ایک ادارہ ہوتا ہے، ایسے بنکوں کو قرض دیتا ہے جو مالی مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔ وہ کسی اور ادارے کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتا، چاہے اس ادارے کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً امریکی حکومت نے، جو کہ بینکوں کو مالی دشواری کی صورت میں لاکھوں ڈالر قرض دے دیتی ہے، کاروں کی ایک کمپنی کرائسلر کو قرض دینے سے اس وقت انکار کر دیا جب انھوں نے مالی پریشانیوں کا اظہار کیا اور ان معاشرتی نقصانات کو بھی نظر انداز کر دیا جو اس کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں لاحق ہو سکتے تھے۔ مثلاً ہزاروں مزدوروں اور کاروباری ایجنٹوں کا روزگار اس کمپنی سے وابستہ تھا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے قوانین کسی بھی مالیاتی ادارے کو اپنے پاس کھاتے جمع کرنے یا قرض دینے سے منع کرتے ہیں، تاکہ وہ سودی بنکوں سے مسابقت نہ کر سکیں۔

اسی طرح حکومت بنکوں کے کھاتوں پر حاصل ہونے والے سود کو ٹیکس سے مستثنیٰ رکھتی ہے تاکہ لوگوں کو بنک میں پیسہ جمع کروانے پر ابھارا جائے، اور وہ یہ سہولت کسی دوسری قسم کے بچت کے ذرائع پر نہیں دیتی۔ پھر مزید یہ کہ حکومت تجارتی مراکز کے مالکان کو اس بات سے روک دیتی ہے کہ وہ نقد خریداری کرنے والوں کو کوئی رعایت (Discount) دیں تاکہ کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ خریداری کرنے والوں سے ان کو ممتاز کیا جا سکے۔ اگر اس طرح کے اقدامات نہ کیے جائیں تو لوگ کریڈٹ کارڈ کا استعمال کم کر دیں گے، اور بنکوں کے لیے نفع کمانے کا موقع جاتا رہے گا۔ اسی طرح بعض ملکوں میں خصوصی عدالتیں تشکیل دی جاتی ہیں جو کہ بنکوں اور قرض نادہندگان کے درمیان تنازعات کو تیزی سے نبٹاتی ہیں۔

بعض ملکوں میں حکومتیں بنکوں کو تنخواہوں کی ادائیگی کا ذریعہ بناتی ہیں اور ان سے کوئی سود بھی نہیں وصول کرتیں۔ اس طرح بنکوں کو ایک خطیر رقم حاصل ہو جاتی ہے، جو وہ سرکاری ملازمین کو تنخواہوں کی ادائیگی سے قبل قرض دینے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ امریکہ میں ایک معروف قانون (Q-Regulation) ہے، جو بنکوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ جاری کھاتوں میں جمع شدہ رقوم پر کوئی سود ادا نہ کریں، اگرچہ وہ رقوم قرض دینے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ہی کیوں نہ استعمال کی جا رہی ہوں۔ بنک ہر ملک میں، حتیٰ کہ عالمی سطح پر بھی مضبوط محاذ تشکیل دیتے ہیں جنھیں قانون اور حکومت کی زبردست حمایت حاصل ہوتی ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں، مثلاً آئی ایم ایف (عالمی مالیاتی فنڈ) کا ترقی یافتہ ملکوں کی نظر میں اہم مقصد یہ ہے کہ وہ عالمی سطح پر بنکوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ ماضی میں آئی ایم ایف نے ایسے اقدامات کیے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس مقصد کو اولین حیثیت دیتا ہے۔ چنانچہ ان ملکوں کو، جو بڑے ممالک کے خصوصی بنکوں سے لیے ہوئے قرضوں پر سود ادا کرنے سے قاصر رہے، آئی ایم ایف اور دیگر تنظیموں کی طرف سے شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاں تک خود ان ملکوں کی طرف سے سیاسی دباؤ کا تعلق ہے تو وہ ایک فطری بات ہے۔ اکثر اوقات امداد اور دیگر سہولیات اس شرط پر دی جاتی ہیں کہ ان بنکوں کو تجارت اور مختلف منصوبہ جات میں سرمایہ کاری کرنے کا موقع دیا جائے۔

اس گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی قسم کا بنکاری نظام قانون اور حکومت کی سرپرستی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اسلامی بنکاری نظام کی معیشت میں سیالیت پیدا کرنے کی صلاحیت

معیشت کے لیے سیالیت (Liquidity) فراہم کرنے میں مدد کرنا، ان اہم مقاصد میں سے ایک ہے، جن کے لیے کسی ملک میں بنکاری کا نظام قائم کیا جاتا ہے۔ اور ہر ملک کافی مقدار میں سیالیت کا محتاج ہوتا ہے، تاکہ افراد اور ادارے ایک مستحکم ماحول میں اقتصادی سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں۔ ہر فرد کو حسب خواہش شرح ترقی حاصل کرنے کا مناسب موقع مل سکے۔ یہ سیالیت فراہم کرنے کے لیے مختلف طریقوں سے کوشش کی جاتی ہے۔ ان میں سب سے اہم حکومت کا نئے کرنسی نوٹ جاری کرنا اور ان کے ذریعے ملک میں مختلف منصوبوں میں سرمایہ کاری ہے، جس کے نتیجے میں نقدی کی بڑی مقدار اس سیالیت میں شامل ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت کے قرض دینے والے ادارے مثلاً صنعتی اور زرعی ترقیاتی بنک وغیرہ بھی خدمات سر انجام دیتے ہیں۔ اکثر ترقی پذیر ملکوں میں حکومت کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیشت کے لیے ضروری سیالیت فراہم کرنے کے لیے بنیادی عامل کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس سیالیت کی فراہمی کے لیے بنک کا جو طریقہ ہوتا ہے وہ تخلیقِ زر کا طریقہ کہلاتا ہے کیونکہ بنک جزوی فاضل (ریزور) فنڈ کے نظام پر عمل کرتے ہیں۔ جس کے سبب مزید کھاتے جنم لیتے ہیں اور معاشرے میں گردش کرنے والی نقدی کی مقدار کئی گنا ہو جاتی ہے۔

مالیاتی مقتدرات (Monetary Authorities) بنکاری کے شعبے کی اس تخلیقِ زر کی اہلیت کو مختلف طریقوں سے کنٹرول کرتی ہیں، جن میں ترقی پذیر ملکوں میں سب سے اہم، جزوی ریزرو کی شرح ہے۔ دوسری طرف شرحِ سود، بازار میں نقدی کی قیمت کا کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے نظام کے تحت حکومت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ بنکاری نظام کی مستقل نگرانی کرے اور اگر ضرورت پڑے تو فوری طور پر مداخلت کرے، تاکہ زر کے بازار (Money Market) میں توازن برقرار رہے اور معیشت کے لیے مناسب مقدار میں سیالیت کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس مداخلت کی اہم وجہ یہ ہے کہ اس سودی نظام میں بنکوں کا طبعی میلان، سیالیت کی کثرت سے تخلیق کی طرف ہوتا ہے۔ جس کا اکثر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کرنسی اور اشیا و خدمات کے درمیان کوئی تناسب باقی نہیں رہتا۔

سودی نظام میں بنکوں کے قرضوں کا انحصار قرض دار کی ادائیگی کی استطاعت پر ہوتا ہے، نہ کہ ان منصوبوں کے اقتصادی تجزیے پر، جن کی سرمایہ کاری کے لیے یہ قرضے لیے جا رہے ہیں۔ اس وجہ سے اس سیالیت (Liquidity) کا ایک حصہ غیر پیداواری منصوبوں اور دیگر مقاصد کی سرمایہ کاری میں لگا دیا جاتا ہے۔ سودی نظام میں اس سیالیت کی تخلیق میں کثرت کے رجحان نے، ترقی یافتہ ملکوں میں افراد اور اداروں کو قرضوں کے بوجھ تلے دبا دیا ہے۔ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں افراد ہر مہینے اوسطاً اپنی آمدن کا نصف، اپنے اوپر جمع شدہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے دے دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بنک کچھ اور بھی خدمات فراہم کرتے ہیں، جن کا سیالیت سے تعلق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مختلف اقسام کی کرنسیوں کا تبادلہ اور نقدی کے علاوہ ادائیگی کے دیگر ذرائع مثلاً چیک وغیرہ فراہم کرنا۔

اس خدشے کے لیے کوئی منطقی سبب موجود نہیں ہے کہ اسلامی نظام میں بنک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیشت میں سیالیت کی ضروری مقدار فراہم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، کیونکہ اس صورت میں بھی بنک، بچت کاروں اور سرمایہ کاروں کے درمیان مالیاتی واسطے کا کام سرانجام دیتے رہیں گے۔ ان کو بھی جزوی ریزرو کے نظام کے تحت کام کرنے کی اجازت ہو گی۔ وہ بھی دیگر تمام خدمات سرانجام دیں گے، جن کا سیالیت سے براہ راست تعلق ہے۔ دوسری سمت سے حکومت اور سرمایہ کاری کے دیگر مخصوص ادارے معیشت کے لیے سیالیت فراہم کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔

یہاں پر یہ بات نوٹ کرنا مناسب ہو گی کہ جس طریقے سے اسلامی بنک کام کریں گے، اس کے ذریعہ سیالیت کی تخلیق میں کثرت کے رجحان کا علاج بھی ہو جائے گا کیونکہ سرمایہ کاری کا تعلق متوقع شرح منافع سے ہو گا اور اسلامی نظام میں بنک کی حیثیت شراکت دار سرمایہ کار کی ہو گی، قرض دینے والے ساہوکار کی نہیں۔ اس طرح اس بات کی ضمانت حاصل ہو گی کہ معاشرے کے وسائل ایسے کاموں میں لگائے جائیں، جو سب سے زیادہ پیداواری صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ کسی قسم کا بھی بنکاری نظام ہو، وہ اپنے اعمال، حکومت کی کڑی نگرانی اور مسلسل توجہ کے تحت سرانجام دیتا ہے۔ اس لیے عمومی طور پر دیکھا جائے تو جو طریق کار یہ بنک اسلامی نظام میں اختیار کریں گے اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بنکاری کے نظام کو معیشت میں سیالیت فراہم کرنے سے مانع ہو۔ لیکن اس نظام کی مثال بھی سود پر قائم نظام کی طرح ہے جو اپنا کردار کامل طور پر خود کار طریقے سے (یعنی بغیر کسی نگرانی اور مدد کے) سرانجام نہیں دے سکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ

جدید بنکوں اور جاہلیت کا سود

(عرب علما اور ماہرین معاشیات و قانون کی آرا)

شیخ محمد مصطفٰے شلبی، چیئرمین فقہ اور فتویٰ کمیٹی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، الازہر

اصل قرضے پر کسی قسم کا اضافہ، جو چاہے پہلے ادا کیا جائے یا بعد میں، قرضے کے شرعی ہدف اور غرض و غایت کو ختم کر دیتا ہے، چاہے وہ قرضہ غیر پیداواری ہو یا پیداواری (صنعت و تجارت اور دیگر مقاصد کے لیے، جیسے ایام جاہلیت میں مشرکین اور یہودی اپنے موسم سرما و گرما کے سفرِ تجارت میں ایسے قرضے لیا کرتے تھے)۔ زمانۂ جاہلیت میں سودی قرضے دونوں قسم کے مقاصد کے لیے لیے جاتے تھے جنھیں قرآن و سنت نے حرام قرار دیا۔ اسلام صرف قرض حسن کی اجازت دیتا ہے جس میں پیشگی طے کردہ کوئی اضافہ نہ ہو۔

یہی رائے اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے سابق سربراہ ڈاکٹر عبدالجلیل شلبی کی بھی ہے، جو بنکوں کے قرضے کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ خالص سود ہے جو شریعت میں قطعی طور پر حرام ہے۔

ڈاکٹر علی السالوسی، استاد شعبہ شریعہ و فقہ، قطر یونیورسٹی

امام جصاص فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں سود --- باہمی رضامندی سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طے کردہ اضافے کے ساتھ درہم اور دینار کا قرض دینے کی صورت میں رائج تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی واضح طور پر ممانعت فرما دی۔ اہلِ جاہلیت مذکورہ قرضے کا سود آخر میں یکمشت یا ماہانہ قسطوں میں ادا کیا کرتے تھے۔ قسطوں میں ادائیگی کا طریقہ انھوں نے رومیوں اور یونانیوں سے لیا تھا، اور یہی طریقہ آج کل بنکوں میں ہے جس کے مطابق جمع کردہ رقوم پر متعینہ شرح کے مطابق سود دیا جاتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ بنکوں کا منافع اس لیے حرام نہیں کہ اس میں کسی فرد کا استحصال نہیں ہوتا جب کہ جاہلیت کے سود کو حرام قرار دینے کی بنیاد مقروض کا استحصال تھا۔ اس شبہے کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر سالوسی کہتے ہیں کہ "عربوں کے ہاں غیر پیداواری قرضہ (جس میں استحصال زیادہ ہوتا ہے) بہت کم مروج تھا، جب کہ بیش تر قرضوں میں براہ راست استحصال نہیں تھا، جو مکے کے خوشحال باشندے یمن اور شام کا سفر تجارت کرنے والے قافلوں کو فراہم کرتے تھے۔ اس کے باوجود اسلام نے ان پر دیے جانے والے منافع کو حرام ٹھہرایا بلکہ اس طرح کا پہلا سود جسے حضور ﷺ نے ساقط کیا وہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا تھا۔

ڈاکٹر سالوس نے بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ پوری امت مسلمہ نے کسی اختلاف کے بغیر کتاب اللہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے، وقت کے معاوضے کے طور پر قرضے پر بطور شرط عائد کردہ کسی بھی اضافے کو سود شمار کر کے حرام قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحمید الغزالی، استاد اسلامی معاشیات، قاہرہ یونیورسٹی اور چیئرمین مرکز برائے اسلامی معاشیات، مصر

بنکوں کے موجودہ ڈیپازٹس اور ان پر دیے جانے والے متعین منافع کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالحمید الغزالی کہتے ہیں کہ قرضے اور ڈیپازٹ (امانت) میں فرق کرنا ضروری ہے۔ قرضے کو مقروض استعمال کرتا ہے جب کہ امانت بنیادی طور پر کسی چیز کی حفاظت سے عبارت ہے۔ کسی چیز کو اپنے ہاں بطور امانت رکھنے والے کے لیے، اس کا استعمال میں لانا جائز نہیں، البتہ اگر وہ اسے مالک کی اجازت سے یا اجازت کے بغیر استعمال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لاتا ہے تو اب یہ قرضے کی شکل اختیار کر لے گی، جس پر کسی قسم کی اضافی رقم لینا ناجائز ہو گا۔ آج کل بنکوں میں جو رقمیں بطور امانت جمع کرائی جاتی ہیں، بنک اسے استعمال میں لاتے ہیں، اس لیے یہ امانت کے زمرے میں نہیں آتیں، ان پر جو منافع دیا جاتا ہے وہ سراسر سود ہے اور کتاب و سنت کی رو سے حرام ہے۔ اب تو "امانت" نام کی رہ گئی ہے حقیقت میں یہ ڈیپازٹس، امانت نہیں بلکہ قرض ہیں، البتہ ڈاکٹر سنہوری کی رائے کے مطابق ان ڈیپازٹس، کو "نامکمل امانت" سمجھ سکتے ہیں جو "امانت" کی شکل میں قرض ہیں۔

ڈاکٹر عبدالجلیل شلبی کہتے ہیں کہ "ڈیپازٹس پر جو منافع دیا جاتا ہے، وہ قرضوں کے منافعہ کی طرح سود کے زمرہ میں آتا ہے اور شرعی لحاظ سے حرام ہیں۔ چنانچہ رقم بنک کے پاس بطور امانت ہو گی جسے اس کے اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر بنک اسے استعمال میں لاتا ہے اور اس سے منافعہ ہوتا ہے تو منافع بنک کا ہو گا، اسی طرح خسارہ بھی وہی برداشت کرے گا، جب کہ ڈیپازیٹر اپنے اصل سرمایہ کا حق دار ہو گا"۔ (روزنامہ "الشعب" قاہرہ "۱۵ اگست ۸۹ء)

"پرانے فقہا کے ساتھ ساتھ مصر کے سرکاری عہدوں پر مختلف اوقات میں فائز ہونے والے علما و فقہا بھی وقتاً فوقتاً بنکوں کے سود کے حرام ہونے کے فتوے دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۰۷ء میں مفتی اعظم مصر الشیخ بکر الصوفی نے بنکوں کے منافع کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں مفتی مصر الشیخ عبدالمجید سلیم نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا تھا۔ شیخ محمد عبدہ نے بھی ایسے سود کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا جسے ان کے ایک شاگرد نے نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار اہلِ علم مختلف اوقات میں فتاویٰ جاری کرتے رہے ہیں"۔ اسلامک اکنامکس سوسائٹی قاہرہ کے زیر اہتمام منعقدہ کانفرنس (۳۱ جولائی ۸۹ء) سے ڈاکٹر عبدالحمید غزالی کا خطاب)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ڈین شریعہ فیکلٹی قطر یونیورسٹی

"میں سہولت و آسانی کا علمبردار ہوں، اس کی وجہ سے مجھے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، اور مجھ پر دین کے بارے میں تساہل پسندی کا الزام لگایا گیا ہے۔ مجھے حضرت سفیان ثوری کا یہ قول بہت پسند ہے کہ کسی مستند عالم دین سے نرمی کا فتویٰ حکمت و دانش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مندی کی علامت ہے، تشدید اور سختی کرنا تو ہر کوئی جانتا ہے۔ حرام کا لفظ تو ہر ایک کہہ سکتا ہے، لیکن جو شخص لوگوں کے لیے کوئی آسانی کی راہ نکالتا ہے تو یہ عین حکمت و دانش مندی ہے بشرطیکہ ایسا شخص مستند و معتبر ہو۔ لیکن سود اور سودی منافع کا مسئلہ سختی اور نرمی کی بحث سے باہر ہے۔ یہ معاملہ پہلے ہی سے طے شدہ ہے۔ ازہر کی اسلامک ریسرچ اکیڈمی نے جمال عبدالناصر اور حمزہ بسیونی کے زمانے میں (۱۹۶۵ء) بنکوں کے منافع کے حرام ہونے کا متفقہ فتویٰ دیا تھا۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنسوں میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ چنانچہ اسلامی معاشیات کی پہلی بین الاقوامی فقہ کانفرنسوں میں بھی متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں بنکوں کے منافع کو سود قرار دے کر اسے حرام ٹھہرایا گیا۔ پھر دو بین الاقوامی فقہ کانفرنسوں میں بھی متفقہ طور پر اسے حرام کہا گیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے، لیکن ماہرین اصول فقہ کا یہ طے کردہ اصول ہے کہ کسی اجماع کو اسی طرح کا اجماع ہی منسوخ کر سکتا ہے۔ اگر ایسا کوئی اجماع موجود ہے جو بنکوں کے سود کو جائز ٹھہراتا ہو تو سامنے لائیے۔ (اسلامک اکنامکس سوسائٹی قاہرہ کی کانفرنس میں خطاب ۳۱ جولائی ۱۹۸۹ء)

پروفیسر ڈاکٹر فتحی السید لاشین، مشیر شریعت برائے دبئی اسلامک بنک اور ممبر فتویٰ و نگرانی کمیٹی

۱۔ بنکوں کا منافع: معاشیات کی اصطلاح میں "منافع" (Interest) اس رقم سے عبارت ہے جو اصل سرمایۂ قرض پر، اضافہ کر کے دیا جائے۔ چنانچہ یہ ایسا معاشی مظہر ہے جس کی بنیاد معاہدۂ قرض پر ہے اور معاملہ کی ایک مخصوص نوعیت "ڈیپازٹ" سے وابستہ ہے۔ یہ "منافع" اصل سرمایہ قرض پر فی سیکڑہ کے حساب سے دیا جاتا ہے، فائدہ اور نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں، ادائیگی کے وقت اصل سرمایہ کے ساتھ اسے ملا دیا جاتا ہے۔ پس اس کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ پہلے سے متعین کردہ ہوتا ہے اور اصل سرمائے کی طرح واجب الادا ہوتا ہے۔

۲۔ بنک ڈیپازٹس کی حقیقت: سودی بنکوں میں سرمایہ رکھنا اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے "ودیعت" (امانت) نہیں، اگرچہ اسے اپنے آغاز اور بنیاد کے تسلسل کی وجہ سے "ودائع" (Deposits) کہا جاتا ہے۔ جب کہ "ودیعت" شرعی اور قانونی لحاظ سے کسی چیز کی حفاظت کرنے کا معاہدہ ہے، چاہے معاوضے پر ہو یا بلامعاوضہ، (موجودہ بنکوں میں کرایہ پر "لاکرز" مہیا کرنا اس کی ایک شکل ہے) بنیادی طور پر "ودیعت" کو وہ شخص اپنے زیر استعمال نہیں لاسکتا جس کے ہاں اسے (بطور امانت) رکھا گیا ہو، اگر وہ چیز خود ہی تلف ہو گئی تو متعلقہ شخص سے اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا بلکہ اپنے مالک کی ملکیت کے طور پر تلف ہو گی۔ اگر اپنے پاس بطور امانت رکھنے والے صاحب نے اسے اصل مالک کی اجازت سے یا بغیر اجازت استعمال کیا تو وہ اس کی ادائیگی کا پورے طور پر ذمہ دار ہو گا اور یہ اس کے ذمے بطور قرض ہو گی۔

موجودہ بنکوں کے ڈپازٹس، درحقیقت ڈپازٹس (امانت) نہیں ہوتے، اس لیے کہ بنکوں کے مروجہ عرف میں اسے بنک کے ذمے قرض ہی تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ بنک اس میں اپنی آزاد مرضی سے تصرف کرتا ہے اور سرمایہ کاری کی صورت میں خود ہی اس کے منافعہ کا مالک ہوتا ہے۔ ڈپازیٹر مقررہ وقت پر سرمائے کی قیمت اور منافع حاصل کر سکتا ہے، چونکہ یہ رقم بنک کے ذمے قرض ہوتی ہے، اس لیے بنک مقروض اور ڈپازیٹر قرض دہندہ بن جاتا ہے، جب کہ اس پر "منافع" (Intarest) کی ادائیگی، رواجی اور تحریری معمول کے مطابق، (گویا کہ) پہلے ہی سے شرط ہوتی ہے۔

یہ کہنا کہ "یہ قرض کی لین دین کا معاملہ نہیں"، اگر درست ہے تو پھر یہ کیا ہے؟--- قرضے کی شرائط میں مقروض کی طرف سے مانگنا شامل نہیں، چنانچہ اگر کسی مالدار کو ضرورت مند کی ضرورت کا پتہ چلے اور وہ اسے از خود بغیر مانگے قرض دے دے تو اگر اس نے واپس لینے کی نیت سے ایسا کیا ہے تو یہ قرض ہو گا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ مقروض کا ضرورت مند ہونا بھی اس کے لیے شرط نہیں، اس لیے کہ ایک مالدار کا دوسرے مالدار سے کسی بھی وجہ سے قرض لینا درست ہے، ایسی صورتیں روزمرہ زندگی میں پیش آتی رہتی ہیں، قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ایسا کرنے کا ثبوت ملتا ہے:

وَاِن كَانَ ذُوعُسرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلىٰ مَيسَرَةٍ (البقرہ۲: ۲۸۰)

تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مقروض مالدار ہو اور اسے قرضے کی واپسی کی استطاعت ہو تو مہلت دیے بغیر اس پر ادائیگی لازم ہے۔

۲۔ سودی بنک سرمایہ کاری کا کاروبار نہیں کرتے، بلکہ پیسوں کی لین دین کے ذریعہ تجارت کرتے ہیں۔ بنک قانونی طور پر صارفین کی رقموں سے سرمایہ کاری کر کے فائدہ اور نقصان کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ بنکوں کے کاروبار کی بنیاد یہ ہے کہ سود پر رقمیں حاصل کر کے زیادہ شرح سود کے ساتھ ان سے قرض دیا جائے اور اس شرح میں جو فرق ہوتا ہے، اس کا فائدہ اٹھایا جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام معاشیات کی بنیاد بھی یہی ہے۔ دونوں صورتوں میں بنک کی پوزیشن مقروض اور قرض دہندہ کی ہوتی ہے، جبکہ در حقیقت اس کی اصلی پوزیشن ایک سودی دلال کی ہے جو دونوں منافعوں کی شرح میں پائے جانے والے فرق کا مالک بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بنک جو منافع دیتا یا لیتا ہے، وہ سراسر سود ہے۔ جس میں "ربا" کے تمام اجزا اور اس کی حقیقت و ماہیت پوری طرح موجود ہے۔ ماہرین معاشیات اس کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "منافع (Interest)، پیسوں کے استعمال کی اجرت یا قیمت ہے جس کا اصل منبع ڈیپازٹ یا قرض ہے، اور پیسہ بھی وہ بنیادی چیز ہے جو ڈیپازٹ کے عمل کا محور ہوتا ہے۔ ماہرین قانون "منافع" کو تلافی (Compensation) کا نام دیتے ہیں لیکن اس نام کا اس پر انطباق نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس میں قطعی طور پر یہ شرط نہیں ہوتی کہ قرض دہندہ کو کوئی نقصان بھی ہوگا چنانچہ یہ حضرات، قرض دہندہ کے ان رقوم سے استفادہ نہ کر سکنے ہی کو بذات خود نقصان قرار دیتے ہیں، چاہے اس دوران اسے ان کی ضرورت ہی پیش نہ آئی ہو!!

بنکنگ سے متعلق جامعہ ازہر کے تحقیقاتی ادارے "اسلامک ریسرچ اکیڈمی" کی کانفرنس کی قرار دادیں

۱۔ قرض کی تمام اقسام پر منافع، سود ہونے کی بنا پر حرام ہے، چاہے قرض پیداواری مقاصد کے لیے ہو یا غیر پیداواری مقاصد کے لیے، اس لیے کہ قرآن و سنت کی نصوص واضح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر دونوں اقسام کو حرام ٹھہراتی ہیں۔

۲۔ سود کی ہر مقدار، تھوڑی ہو یا زیادہ، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق حرام ہے:

یَاَیُّھَاالَّذِینَ اٰمَنُو ا لَا تاکُلُو الرِّبٰوا ضِعَافاً مُضٰعَفَۃً (ال عمران ۳: ۱۳۰)

اے ایمان والو، یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو

۳۔ منافع یا سود کی بنیاد پر قرضہ دینا حرام ہے۔ کوئی بھی ضرورت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، سود کے جائز ہونے کا سبب نہیں بن سکتی، اسی طرح سود پر قرض لینا بھی حرام ہے، البتہ اگر انتہائی ضرورت و اضطرار کی حالت میں ایسا قرض لیا جائے تو اس صورت میں گناہ کی معافی ہو سکتی ہے۔ اضطرار کا فیصلہ ہر آدمی کے اپنے دین اور ایمان اور ضمیر کے سپرد ہے۔

۴۔ کرنٹ اکاؤنٹس، چیک اور ڈرافٹوں کی ادائیگی، کریڈٹ لیٹرز، ایکس چینج بل اور بنکنگ کے اس طرح کے دیگر ملکی سطح پر کیے جانے والے معاملات، جو صارفین اور بنکوں کے درمیان ہوتے ہیں اور ان پر جو اجرت لی جاتی ہے، وہ سود کے زمرے میں نہیں آتی۔

۵۔ طویل المیعاد اکاؤنٹس یا سودی اکاؤنٹ کھولنا یا سود پر قرضے فراہم کرنا "سودی معاملات" کے ضمن میں آتا ہے، اس لیے ایسا کرنا ناجائز ہے۔

اسلامی بنکنگ سے متعلق دوسری کانفرنس

(۲۱ - ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء) کی تجاویز اور قرار دادیں

۱۔ کانفرنس نے اس بات پر زور دیا کہ مغربی اور دیگر ماہرین معاشیات جس چیز کو منافع (Interest) کا نام دیتے ہیں وہ شرعی لحاظ سے حرام کردہ سود ہے۔

۲۔ کانفرنس صاحب ثروت مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے مال کو ترجیحی طور پر عرب اور مسلمان ممالک کے اسلامی بنکوں، کمپنیوں اور مالیاتی اداروں میں اور اس کے بعد غیر مسلم ممالک کے مسلم اداروں میں جمع کروائیں، جب تک ایسا نہ ہو اس وقت تک انھیں سود کی مد میں غیر اسلامی بنکوں سے جو "منافع" ملے وہ چونکہ حرام ہے اس لیے اسے لے کر مسلمانوں کے رفاہی کاموں میں صرف کر دیں۔ اگر غیر اسلامی بنکوں میں رقوم جمع کرانے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بچا جا سکتا ہو اور اس کے باوجود کوئی ان کے ساتھ مالی لین دین جاری رکھتا ہو تو یہ شرعی لحاظ سے ناجائز عمل ہے۔

۳۔ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ موجودہ اسلامی بنکوں کو مضبوط بنایا جائے اور اس طرح کے مزید بنک کھولے جائیں تاکہ ہر سطح پر ان سے استفادہ کیا جائے۔

بلاسود بنکاری اور مغرب

بلا سود بنکاری سے متعلق مغربی اخبارات سے چند اقتباسات

ذیل میں چند اقتباسات دیے جا رہے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا بھر میں ماہرین معاشیات اور بنکاری، اسلامی بنکاری کو کتنی اہمیت دیتے ہیں اور یہ کتنی قابل عمل ہے۔

۱۔ موجودہ زمانے میں امریکہ کی کئی جامعات میں اسلامی معاشیات کا مضمون پڑھایا جانا شروع ہو چکا ہے۔ جس میں اسلامی بنکاری سے متعلق افکار بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ ان جامعات میں سے ایک واشنگٹن ڈی سی کی جارج ٹاؤن یونیورسٹی بھی ہے۔

۲۔ وہاں کے بنک اور تحقیقی مراکز بھی اسلامی معاشیات کو اہمیت دے رہے ہیں۔ اور کئی کانفرنسیں اس غرض سے منعقد ہو چکی ہیں کہ اسلامی بنکاری کے متعلق تحقیق اور گفتگو کی جا سکے۔ ان میں سے ایک کانفرنس جارج ٹاؤن یونیورسٹی نے ستمبر ۱۹۸۶ء میں اور دوسری کانفرنس ہارورڈ یونیورسٹی نے ۱۹۸۵ء کے آخر میں منعقد کی تھی۔

۳۔ سٹی بنک کے ایک ماہر کہتے ہیں کہ مغربی کمپنیاں شدت سے ایسے طریقوں کی تلاش میں ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے کاروباری افعال کی فنانسنگ اسلامی طریقوں کے مطابق کر سکے۔

بیرالڈ ٹریبیون انٹرنیشنل، سوزان ٹریل کا مضمون، "اسلامی بنک: مغرب میں منصوبہ جات کی تلاش میں"

۴۔ اسلامی فنانسنگ کی نمایاں ترین خصوصیت وہ اہمیت ہے جو پیداواری صلاحیت کو دی جاتی ہے۔ اس طریقہ کار میں قرض لینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بنک کو اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منصوبے کے منافع بخش ہونے کی تسلی کروائے جس کے لیے وہ سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اپنا قرض واپس کرنے کی استطاعت رکھنے کا ثبوت دے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ قرض واپس کرنے کی استطاعت تو رکھتا ہو لیکن منصوبے کو کامیابی سے چلانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ ایسے زمانے میں جب کہ اقتصادی حالات، ہر طرف کساد بازاری، افراط زر اور شرح ترقی میں کمی کا شکار ہوں، کوئی صاحب عقل اس طریقہ کار کے درست ہونے میں کیسے شک کر سکتا ہے۔ (الاقتصاد و الصرفتہ الاسلامیہ، روٹلج کیون پاوس لندن - عرب نیوز ۱۳ نومبر ۱۹۸۳)

۵۔ ایسے وقت میں جب کہ سود کی بڑھتی ہوئی شرح کے باعث یکے بعد دیگرے مختلف ممالک دیوالیہ پن کی سطح تک پہنچتے جا رہے ہیں، بین الاقوامی منڈی میں ایسے بڑے اداروں کا قیام، جو کہ اسلامی اصولوں کے مطابق کاروباروں کے لیے بلاسود سرمایہ مہیا کرتے ہیں، یقیناً توقع سے زیادہ توجہ حاصل کرے گا۔ (ہیرالڈ ٹریبیون انٹرنیشنل، ۳-۴ نومبر ۱۹۸۳)

۶۔ ریاست ہائے متحد امریکہ میں مکانات کی خریداری کرنے والوں نے اس طریقہ کار کی جس طرح پذیرائی کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافع میں شرکت کی بنیاد پر قرض کے نظریہ کو، عالم اسلام سے باہر کے ممالک میں بھی گرم جوشی سے قبول کیا جائے گا۔ (دارٹن کالج پنسلوانیا یونیورسٹی کے شعبہ بزنس فنانس کے دو اساتذہ جیک جو تنتاج اور رچرڈ ہیرنگ کا مقالہ)

۷۔ چند مغربی بنکوں نے اپنی بعض خدمات کے بدلے سود وصول کرنے کے بجائے فیس وصول کرنا شروع کر دی ہے جو کہ ان کی سرگرمیوں کو اسلامی اصولوں سے قریب کرنے کا باعث بنا ہے جن میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (فرانک او شیجیا وائس پریذیڈینٹ چیز بنک (Chase Bank) مین ہیٹن نیویارک امریکہ)

۸۔ ان امریکیوں کو جو کہ زیادہ شرح سود اور افراط زر کی بڑھتی ہوئی شرح سے دوچار ہیں، مسلمانوں اور اسلام کے بنکاری نظام سے سبق سیکھنا چاہیے جو کہ دین کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اپنے مقاصد پورے کر سکتا ہے۔ (اسپاٹ لائٹ میگزین لندن، جون ۱۹۸۵)

۹۔ اس بات کے علی الرغم کہ اسلامی بنکاری نظام ان بنیادوں سے مختلف بنیادوں پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم ہے جن پر مغربی بنک قائم ہیں، یہ بات درست ہے کہ اول الذکر زیادہ مضبوط اور درست بنیادوں پر استوار ہے۔ (روڈنی ولسن دی اکانومسٹ اکنامکس انٹیلی جینس یونٹ میگزین، اکتوبر ۱۹۸۳ء، اسلامی بنکاری سے متعلق خصوصی شمارہ)

۱۰۔ امریکن اکنامک سوسائٹی نے جو کہ دنیا میں ماہرین اقتصاد کی اہم ترین تنظیم ہے۔ اپنے دسمبر ۱۹۸۶ میں لوزیانا اسٹیٹ کے شہر نیو اورلیانز میں ہونے والے سالانہ اجتماع میں ایک پورا سیشن اسلامی اقتصادیات کے لیے مختص کیا جس میں امریکہ کے مختلف ماہرین اقتصاد کے لکھے ہوئے کئی مقالے پیش کیے گئے۔

۱۱۔ آئی ایم ایف نے مارچ ۱۹۸۷ء میں اسلامی بنکاری سے متعلق ایک خصوصی رپورٹ، آئی ایم ایف نمبر ۴۹ انگریزی زبان میں شائع کی (آئی ایم ایف کی طرف سے عربی زبان میں بھی رپورٹ شائع کی جاتی ہے)۔ اس رپورٹ میں اسلامی بنکاری نظام کے نظری اور عملی پہلوؤں اور اس کی موجودہ دور میں تطبیق کو پیش کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی بنکاری ایک قابل عمل نظام ہے اور وہ اقتصادی وسائل کی مثالی تقسیم کی قدرت رکھتا ہے۔ آئی ایم ایف کی طرف سے اسٹاف پیپرز سیریز کے شمارہ نمبر ۳۳ میں بھی اسی موضوع پر ایک تفصیلی مقالہ شائع کیا گیا ہے۔

۱۲۔ بولنٹ سیلر نے، جو کہ انا ضول بنک ترکی کے ڈائریکٹر اور وزیر اعظم ترگت اوزال کے مشیر بنکاری امور ہیں، بتایا کہ روکفیلر بنک ترکی کی ایک شاخ نے اپنا نظام اسلامی بنکاری کے اصولوں پر چلانے کی اجازت مانگی ہے۔ یہ تجویز دو اسلامی بنکوں، البرکہ اور الفیصل کی کامیابی کے بعد سامنے آئی ہے۔ (جریدہ السیاستہ الکویتیہ، ۱۲ مئی ۱۹۸۵ء)

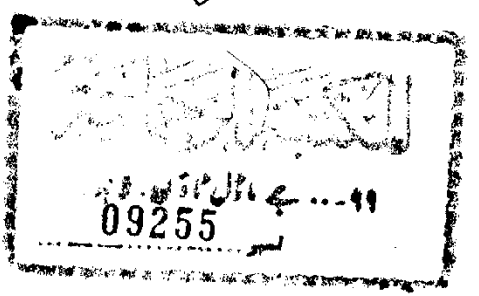

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عالم اسلام کو (بشمول پاکستان) معاشی، معاشرتی، سیاسی و نظریاتی، قومی و ملی بقا جیسے اہم چیلنجوں کا سامنا ہے بالخصوص امت مسلمہ کے نظریاتی تشخص کی بحالی اور موجودہ ناکام سیاسی و انتظامی ڈھانچوں کے متبادل نظام کی تشکیل اور قیام --- ان چیلنجوں کا مقابلہ اسلامی نظریاتی دائرہ میں رہتے ہوئے سنجیدہ سوچ و بچار، تحقیق اور جدید سائنسی طرز فکر اپنا کر تخلیقی عمل کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد عالم اسلام کو درپیش اسی چیلنج کا موثر مقابلہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ انسٹی ٹیوٹ ایک آزاد علمی و تحقیقی ادارہ ہے جس کا مقصد مختلف شعبہ ہائے زندگی کے پالیسی مسائل سے متعلق محققین و ماہرین کے مابین بحث و مباحثہ، مکالمہ اور بے لاگ تجزیہ و تحقیق کا اہتمام کرنا ہے تاکہ مملکت کے پالیسی سازادارے تحقیق و تجزیہ کے بعد پیش کردہ متبادل تجاویز کی روشنی میں بہتر فیصلے کر سکیں۔ آئی پی ایس کے دائرہ کار میں بین الاقوامی امور، مطالعہ پاکستان، امت مسلمہ کے سیاسی، تعلیمی، معاشی اور سائنس و ٹیکنالوجی سے متعلق مسائل شامل ہیں۔

اسلامی معیشت کے حوالے سے انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع کی جانے والی مطبوعات میں سے چند اہم حسبِ ذیل ہیں۔

- Elimination of Riba from the Economy, *Khurshid Ahmad*
- Economic Teachings of Prophet Muhammad *(SAW)*, *Muhammad Akram Khan*
- Islamic Economics: Annotated Sources in English and Urdu *Muhammad Akram Khan*, (Two Volume)
- Money and Banking in Islam, (Vol-I)
- Fiscal Policy and Resource Allocation in Islam, (Vol-II), Eds *Dr Ziauddin Ahmed, Dr M. Fahim Khan, Dr Munawar Iqbal*
- Islamic Banking: Conceptual Framework & Practical Operations, *Abdur Rahim Hamdi*
- Islamic Approach to Development (Some Policy Implications), *Prof Khurshid Ahmad*

- حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، ڈاکٹر محمود احمد غازی
- ربا اور بنک کا سود، ڈاکٹر یوسف قرضاوی
- اسلامی بنکاری: نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات، پروفیسر اوصاف احمد
- جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ڈاکٹر یونس نمیی، ڈاکٹر احمد محی الدین

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد